نئی نسل کا معمار اور تعمیر و ترقی کا داعی

ماہنامہ

جلد: ۳۳ شمارہ: ۴ اپریل ۲۰۲۰ء شعبان/رمضان ۱۴۴۱ھ
editor@rafeeqemanzil.com

عنوان	مضمون	مصنف	صفحہ
ذکر	رمضان	مولانا انعام اللہ فلاحی	04
شرر	شہر الصبر والمواساۃ	محمد معاذ	05
نظر	نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسو	محمد حسنین	07
	چراغ کی روشنی کرناٹک سے مرکز تک	ڈاکٹر محمد رفعت	10
	مولانا محمد سراج الحسنؒ	محمد اقبال ملاؔ	12
	مولانا محمد سراج الحسن صاحب تاثرات، احساسات، یادیں	پیشکش محمد معاذ	15
رشد	ادیانِ عالم میں روزے کا تصور	سالک دھامپوری	18
	روزہ شخصیت کے ہمہ جہتی ارتقاء کا موثر ذریعہ	گلزار صحرائی	26
فکر	صحت اور فرصت کے ساتھ رمضان	ڈاکٹر عدنان الحق خان	29
صریر	تبصرہ	مبصر: محمد معاذ	32
	تبصرہ	مبصر: محمد معاذ	34
صحت ومرض	کورونا وائرس مہاماری اور اسلامی تعلیمات	احسن فروز آبادی	35
	کورونا وائرس عالمی وبا کے چار مراحل	ڈاکٹر عدنان الحق خان	39
مطالعہ	تنقیحات	احمد توصیف قدس	40
خبر	تبلیغی جماعت بدنام کرنے کی شرمناک حرکت	ادارہ	42

MANAGER
ABDUL JABBAR
managerrmgp@sio-india.org

Asst. MANAGER
Saleem Akram 08867255364
asst.managerrmgp@sio-india.org

₹15 | سالانہ ₹160

D-300, Abul Fazl Enclave Jamia Nagar, Okhla New Delhi - 110025 | Ph: 8447622919 | Email: officermgp@sio-india.org | www.rafeeqemanzil.com

Printed on behalf of The Students Islamic Organisation ofIndia, Printer & Publisher Tanveer Alam, Printed at Bharat Offset, 2034/35, Qasim Jan Street, Ballimaran, Delhi - 110006, Published from 230, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi - 110025 | **Editor : Saud Firoz Ahmed**

رمضان

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اجود الناس بالخیر و کان اجود مایکون فی شھر رمضان حین یلقاہ جبرئیل و کان یلقاہ فی کل لیلۃ من رمضان فیدارسہ القرآن فلرسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم اجود بالخیر من الریح المرسلۃ (متفق علیہ)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخی وفیاض تھے۔ اور رمضان کے مہینے میں آپؐ کی سخاوت وفیاضی اس وقت ہوتی جب رمضان کے مہینے میں ہررات جبریلؑ سے ملتے تھے اور آپؐ سے قرآن کا دور کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس وقت سخاوت میں ہوا سے بھی زیادہ تیز ہوتے تھے''۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا شمار نوعمر صحابہ میں سے ہوتا ہے۔ انھیں علم حدیث کا بہت شوق تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو دعا دی تھی: **اللھم فقھہ فی الدین و علمہ**۔ ''اے اللہ! اس نوجوان کو دین کا فہم اور بصیرت اور قرآن مجید کی تفسیر کا علم عطا فرما۔'' اسی وجہ سے انھیں مفسر قرآن اور ترجمان القرآن بھی کہا جاتا ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک بہت ابھرا ہوا وصف بیان کیا گیا ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ آپؐ کی ذات گرامی سخاوت وفیاضی سے متصف تھی۔ ہر رمضان المبارک میں اس میں اور زیادہ اضافہ ہوجاتا تھا۔ حدیث میں فیاضی کی صفت کو تیز ہوا سے تشبیہ دی گئی ہے۔ رمضان میں سخاوت وفیاضی میں اضافہ اس وجہ سے ہوجاتا کہ یہ مہینہ ہمدردی کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رمضان کو 'شہر مسواسات' بتایا ہے۔ مواسات کا مطلب ہے، ہمدردی، غم خواری، شفقت، رحم دلی اور کمزوروں کا خیال رکھنا۔ بے کسوں کو سہارا دینا، مجبوروں کی مدد کرنا، پریشان حال لوگوں کی پریشانی اور مشکلات دور کرنا۔ مواسات ایک انسانی اور اخلاقی فریضہ ہے۔ جو تمام انسانوں سے ہر حال میں مطلوب ہے۔ لیکن رمضان المبارک میں اس کی قدروقیمت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ رمضان مواسات کا مہینہ ہے۔ اس حقیقت کو اس طرح بھی سمجھا سکتا ہے کہ رمضان کا مہینہ مواسات اور ہمدردی کی فضا تیار کرتا ہے۔ مال دار اور خوش حال لوگ، جن کے پاس ساری نعمتوں کے ہوتے ہوئے بھی ان پر پابندی لگا کر انھیں بھوک اور پیاس کا تجربہ کراتا ہے۔ مسکینی اور مجبوری کے احساس سے انھیں گزار کر ان کے اندر انسانی ہمدردی کے احساس کو جگاتا ہے۔ ان کے اندر شفقت اور انفاق کے جذبے کو پروان چڑھاتا ہے۔

ہمدردی اور مواسات کے لیے مالدار ہونا شرط نہیں ہے۔ اس کے لیے دردمند دل کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ جذبہ درکار ہے جس میں انسانوں کا درد ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: **اتقو النار و لو بشق تمر فمن لم یجد فب کلمہ طیبۃ** (بخاری) ''جہنم کی آگ سے صدقہ کے ذریعہ بچو، اگرچہ آدھی کھجور ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ بھی نہ ہو تو بھلی بات کے ذریعہ بچو۔''

مولانا انعام اللہ فلاحی

شرر

شہر الصبر و المواساۃ

ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کی خاطر اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان اپنی شخصیت پر خاطر خواہ توجہ نہیں کر پاتا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ چند روزہ زندگی میں مادّی آسائشیں اور وسائل کی فراہمی تو ہوجاتی ہیں لیکن انسان اپنی خودی سے ناآشنا ہو کے رہ جاتا ہے۔ سمجھ دار انسان وہ ہے جو اپنی شخصیت کے ارتقاء کی طرف بھرپور توجہ دے، ورنہ ہوگا یہ کہ

خواب تو سب اس کے پورے ہوگئے
وہ مگر خود ہی ادھورا رہ گیا

ماہرینِ نفسیات و سماجیات کے نزدیک کامیاب شخصیت وہ ہے جو کہ مخالف ماحول اور موافق حالات دونوں میں اپنے آپ کو قابو میں رکھ سکے۔ اس صفت کو پروان چڑھانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے سماج میں رہنے والے تمام لوگوں کے مسائل و پریشانی کو اپنی پریشانی تصور کریں۔ ان کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھیں۔ کمزور طبقات کو اوپر اٹھانے کی فکر کریں اور ظالم و جابر کا ہاتھ پکڑنے کا حوصلہ اپنے اندر پیدا کریں۔ خیر کے کاموں میں تعاون کا رویہ اپنائیں۔ شر سے بچنے کا اہتمام کریں۔

اس مثبت رویے (Positive Attitude) کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لیے ہمیں اپنی خداداد صلاحیتوں (Inherent Abilities) کو پہچاننا ہوگا۔ خالقِ کائنات نے انسانی روح کے ارتقاء کا راستہ یہ بتایا ہے کہ ابنِ آدم اپنے آپ کو خدا کے حکم کا تابع بنالے۔ ایسا کرنے سے اسے اپنی بے پناہ صلاحیتوں کا اندازہ ہوگا اور شکر کے جذبات پروان چڑھیں گے۔ تمام آسمانی شریعتوں میں روزہ کا تصور ملتا ہے۔ حضرت مریمؑ نے دورانِ روزہ بات چیت سے بھی پرہیز کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ روزہ دراصل ''صبر'' کا دوسرا عنوان ہے۔ (سورہ مریم) اس لیے کہ عموماً انسان کی غیر ضروری بات چیت اسے غلط راہ پر ڈال دیتی ہے۔

روزہ کا خاصہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے انسان کے اندر نیکی کی طرف میلان بے پناہ بڑھ جاتا ہے اور برائی سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ بھوک پیاس کی حالت میں سماج کے غرباء و مساکین کی حالت زار کا صحیح احساس ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رمضان کو نیکیوں کا موسمِ بہار کہا جاتا ہے۔

یہ ماہِ مبارک قرآن کی تلاوت، تدبر اور تذکیر کا مہینہ ہے۔

شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس و بینات من الھدیٰ و الفرقان۔ (البقرۃ)

رمضان کی برکتیں اور رحمتیں اس کتابِ مبین کی وجہ سے ہیں جو کہ تمام انسانوں کے لیے ہدایت کا واحد نسخہ ہے۔ رمضان یاددہانی کراتا ہے کہ قرآنِ کریم پر عمل کرنا آسان ہے۔ اللہ کے راستے پر چلنا سلامتی کا پیش خیمہ ہے اور اللہ کے راستے کی طرف بلانا کامیابی کا ضامن ہے۔

ہر سال ماہِ رمضان کی آمد کے بعد اللہ کے بندے دو خانوں میں بٹ جاتے ہیں۔ ایک وہ خوش بخت جو رمضان کی ساعتوں کا فائدہ اٹھا کر اپنی مغفرت کا سامان کر لیتے ہیں، ان کے لیے رمضان نوید سحر ہوتا ہے۔ دوسری جانب ایسے غافل بھی ہوتے ہیں جو ان بیش قیمت لمحات کو فضول اور لایعنی مشاغل میں ضائع کر دیتے ہیں۔ ایسے لاپرواہ بندگانِ خدا کے لیے رمضان خالق کائنات کی ناراضگی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

فرد اور سماج کی اخلاقی تربیت کا یہ خدائی نسخہ تمام بندگانِ خدا کو ایک ساتھ ایسی حالت میں لے آتا ہے کہ ان کا روزمرہ کا معمول (روٹین) چند روز کے لیے پوری طرح ایک دوسرے ہی نظام الاوقات کو فالو کرنے لگتا ہے۔ ایسا ٹائم ٹیبل جو کہ خالقِ دو جہاں کا وضع کردہ ہے۔ یہ تربیت انسان کے اندر زبردست نظم وضبط (ڈسپلن) پیدا کر دیتی ہے اور وہ نامساعد حالات میں بھی اپنے آپ کو مایوسی، جھنجھلاہٹ اور دوسرے انتہا پسندانہ رویوں سے بچا لیتا ہے۔ صبر و شکر کی کیفیات اس ماہ میں بآسانی ہر وہ مومن محسوس کر سکتا ہے جس نے محض رضائے الٰہی کے لیے روزہ اور قیام اللیل کا اہتمام کیا ہو۔

ماہِ رمضان جہاں ایک طرف خدا اور بندے کے تعلق کو مضبوط کرتا ہے۔ وہیں بندگانِ خدا کے درمیان بھی خیر خواہی اور انسانی برادری کے تعلق کے استحضار کی فضا ہموار کرتا ہے۔ اس ضمن میں مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

''اس اجتماعی عبادت کا تیسرا زبردست کام یہ ہے کہ یہ عارضی طور پر تمام لوگوں کو ایک سطح پر لے آتی ہے۔ اگرچہ امیر امیر ہی رہتا ہے اور غریب غریب، لیکن روزہ چند گھنٹوں کے لیے امیر پر بھی وہ کیفیت طاری کر دیتا ہے جو اس کے فاقہ کش بھائی پر گزرتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کی مصیبت حقیقی طور پر محسوس کرتا ہے اور خدا کی رضا چاہنے کا جذبہ اسے غریب بھائیوں کی مدد پر اکساتا ہے۔ بظاہر یہ ایک چھوٹی سی بات معلوم ہوتی ہے مگر اس کے اخلاقی و تمدنی فوائد بے شمار ہیں۔ جس قوم کے امیروں میں غریبوں کی تکالیف کا احساس اور ان سے عملی ہمدردی کا جذبہ ہو اور جہاں صرف اداروں ہی کو خیرات نہ دی جاتی ہو بلکہ فرداً فرداً بھی حاجت مندوں کو تلاش کر کے مدد پہنچائی جاتی ہو وہاں نہ صرف یہ کہ قوم کے کمزور حصے تباہ ہونے سے محفوظ رہتے ہیں، نہ صرف یہ کہ اجتماعی فلاح برقرار رہتی ہے بلکہ غربت اور امارت میں حسد کے بجائے محبت کا، شکر گزاری اور احسان مندی کا تعلق قائم ہوتا ہے۔ اور وہ طبقاتی جنگ کبھی رونما نہیں ہو سکتی جو ان قوموں میں ہوتی ہے جن کے مالدار لوگ جانتے ہی نہیں کہ فقر و فاقہ کیا چیز ہوتی ہے؟ جو قحط کے زمانے میں تعجب سے پوچھتے ہیں کہ لوگ بھوکے کیوں مر رہے ہیں؟ انہیں روٹی نہیں ملتی تو یہ کیک کیوں نہیں کھاتے؟''

(اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر، ص ۱۱۱-۱۱۲)

محمد معاذ

نگہ بلند سخن دل نواز جاں پر سو

محمد حسنین

ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔اس ابدی حقیقت اور نظام ربانی کے تحت جماعت اسلامی ہند کے سابق امیر مولانا محمد سراج الحسن صاحب اپنے آبائی وطن رائچور (کرناٹک) میں ۲ر اپریل ۲۰۲۰ء کو اس دنیائے ناپائیدار سے رخصت ہوگئے۔یوں تو روزانہ کتنے ہی لوگ موت سے ہم کنار ہوتے رہتے ہیں، پھر بالعموم رفتہ رفتہ اپنے عزیز واقارب کے بھی ذہنوں سے محو ہوجاتے ہیں۔مگر بعض نادر شخصیات وہ ہوتی ہیں، جو اپنے اوصاف حمیدہ اور کارناموں کی وجہ سے دیر تک اور بعض، بہت دیر تک لوگوں کے ذہنوں میں محفوظ ہوجاتی ہیں۔مولانا محمد سراج الحسن صاحب ایسی ہی چیدہ شخصیات میں سے ایک ہیں۔جو جماعت کے اندر اور باہر دونوں حلقوں میں بہت دیر تک یاد رکھے جائیں گے۔اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں سے صرف نظر کرے، ان کے حسنات کو قبول فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے سرفراز کرے اور تحریک اسلامی ہند کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

اگر صرف مصافحے کو ملاقات کہا جائے تو مولانا مرحوم سے ملاقات کا شرف مجھے چتر پور (جھارکھنڈ) میں ۱۹۸۵ء میں حاصل ہوا تھا۔دراصل مرکزی مجلس شوریٰ کے ایک اہم فیصلے کی ارکان جماعت کے درمیان تفہیم و وضاحت کے لیے مولانا کی چتر پور تشریف آوری ہوئی تھی۔شمالی چھوٹا ناگپور کے ارکان جماعت پر مشتمل وہ نشست تھی۔چنانچہ رفقاء کی بھیڑ بھاڑ میں مصافحے سے زیادہ کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ارکان جماعت کو دفتر حلقہ سے پہلے ہی مطلع کر دیا گیا تھا کہ اگر کسی کے ذہن میں کچھ سوالات ہوں تو وہ تحریری شکل میں ساتھ لائیں تاکہ وقت کا صحیح استعمال ہو سکے۔میری رکنیت کی منظوری کو ابھی سال بھر بھی نہیں ہوا تھا، اس لیے ذہن میں بعض اشکالات ہونے کے باوجود پہلی بار کسی مرکزی ذمہ دار کے سامنے کوئی تحریر پیش کرنے میں مجھے عجیب سی جھجک اور کچھ ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔تاہم اس موقعے پر میں نے بھی اپنے اشکالات پیش کرنے کی جرأت کر ڈالی۔دیگر رفقاء کے تحریری سوالوں کے جوابات کے درمیان میرے بھی اشکالات کے بیشتر نکات کی مولانا محترم نے وضاحت فرمائی تھی۔اس سے اطمینان اور عدم اطمینان کے پہلو سے قطع نظر مولانا کا انداز تکلم، جچے تلے الفاظ کا استعمال، ٹھہرا ہوا لب ولہجہ اور بعض احباب کے جھنجھلا دینے والے سوالات کا بھی صبر وتحمل، بردباری اور پُرسکون پیرائے میں ان کے جواب سے میں بے حد متاثر ہوا۔مولانا کا یہ طرز گفتگو دل میں گھر کر گیا۔

پھر اوائل فروری ۱۹۹۲ء میں مرکز کے شعبہ تنظیم میں خدمات کے لیے مجھے طلب کر لیا گیا۔مرکز حاضری کے بعد پہلی

ملاقات میں مولانا جس گرم جوشی سے بغل گیر ہوئے تھے، اس کی یاد آنے پر ان کی مخلصانہ محبت کی خوشبو اور پدرانہ شفقت کی نرم آنچ آج بھی سینے میں دہکتی محسوس ہوتی ہے۔ ان کا یہ انداز کوئی میرے ساتھ ہی مخصوص نہیں تھا بلکہ وہ جس سے بھی ملتے اسی طرح پُرخلوص محبت کے ساتھ ٹوٹ کر ملتے۔ یہ انداز ان کے مزاج اور طبیعت کا حصہ تھا، جسے کوئی بھی ملنے والا محسوس کیے بغیر نہیں رہتا۔ اس وقت انھوں نے یہ کہہ کر مجھے حیران کر دیا کہ آپ سے چتر پور میں ملاقات ہوئی تھی اور وہاں آپ نے ایک تحریر بھی پیش کی تھی۔ میری حیرانی اس بات پر تھی کہ ایک دور افتادہ اور معمولی رکن جماعت سے چھ سات سال قبل کی سرسری ملاقات ان کو یاد تھی۔ مولانا کا یہ ایک خاص وصف تھا کہ وہ اپنے ملنے والے کو نہ صرف یاد رکھتے بلکہ ضروری تفصیل کے ساتھ یاد رکھتے تھے۔

مولانا کے سایۂ عاطفت میں رہنے کا شرف، مسلسل گیارہ سال مجھے حاصل رہا ہے۔ اس دوران میں نے محسوس کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے، جن میں کسر و انکسار، ملنساری، سادگی، معاملہ فہمی، دور اندیشی، مردم شناسی اور تحریکی و تنظیمی امور میں باہمی مشاورت پر مداومت، ان کی ہمہ رنگ شخصیت کے نمایاں اور اہم پہلو ہیں۔ باہمی مشاورت کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ذمہ داران مرکز میں ٹیم اسپرٹ کی کیفیت مزید مستحکم ہوئی، جس کے اثرات حلقے اور مقامی سطح تک مترتب ہوئے۔

مولانا کے اوصاف حمیدہ کا ایک بہت ابھرا ہو وصف یہ تھا کہ وہ اپنے ملاقاتیوں اور شناساؤں کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ وقفے وقفے سے ان کی مزاج پرسی، خبر گیری کے علاوہ مشکلات و مسائل میں انھیں مفید مشوروں سے بھی نوازتے تھے۔ چنانچہ دور کے احباب سے اس مقصد کے لیے پوسٹ کارڈ کا کثرت سے استعمال کرتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ خطوط کی تاریخ ترسیل، مکتوب الیہ کا نام، سبب تحریر کا اشاریہ وغیرہ کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنے کا اہتمام کرتے۔

۶ / دسمبر ۱۹۹۲ء کو انہدام بابری مسجد کا دل خراش سانحہ پیش آیا۔ اس کے بعد ملک افراتفری اور بدامنی کا شکار ہوا، ملت میں غیر یقینی اور مایوسی کی کیفیت پیدا ہوئی اور حکومت نے Unlawfull Activities Prevention Act 1967 کے تحت جماعت کی تمام تر سرگرمیوں کو معطل کر دیا۔ کتنے ہی افراد جماعت حوالۂ زنداں کر دیے گئے اور بہتوں کو ہراساں کیا گیا۔ یہ گھڑی ملک وملت اور خود جماعت کے لیے بڑی نازک اور صبر آزما تو تھی ہی، تحمل کے ساتھ مؤثر حکمت عملی کی متقاضی بھی تھی۔ اس زمانے میں مولانا نے مومنانہ فراست و بصیرت اور عزم و استقلال کے ساتھ باہمی مشاورت سے ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور ملت میں حوصلہ واعتماد کی بحالی کے پیش نظر فورم فارڈیموکریسی اینڈ کمیونل ایمیٹی (FDCA) کی داغ بیل ڈالی۔ اسی طرح مولانا دعوتی فکر و عمل کے پرجوش حامی تھے۔ اور اس کے لیے راہیں تلاش کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ملک میں خوشگوار فرقہ وارانہ فضا کی برقراری اور دعوت وتبلیغ کی راہ کی ہمواری کے لیے مرکزی مجلس شوریٰ کے ایک فیصلے کے تحت ''دھارمک جن مورچہ'' کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے قیام میں ملک کے مختلف طبقات، انسانی بھائی چارہ کے علم بردار غیر مسلم افراد اور متعدد مذہبی رہنماؤں سے مولانا کے پہلے سے قائم خوشگوار اور خیرسگالی پر مبنی تعلقات نے اہم رول ادا کیا۔ اس زمانے میں مولانا اپنے اظہار خیال اور خطابات میں تواتر کے ساتھ اس بلیغ جملے کا اعادہ کرتے تھے کہ وابستگان تحریک کے لیے یہ ملک نہ تو دارالحرب ہے اور نہ دارالامن، بلکہ یہ دارالدعوہ ہے۔ ان کی خطابت کے سلسلے میں صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ ان کو اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی کے لیے الفاظ اور ان کے دروبست پر پوری قدرت حاصل تھی۔ ان کی خطابت کا دوسرا نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ کسی بات کو مؤکد کرنے کے لیے اس کا مثبت اور منفی

دونوں پیرایہ اختیار کرتے اور کبھی مترادف اور متضاد الفاظ کا استعمال اس خوبی کے ساتھ کرتے کہ وہ بات سہل ہو کر سیدھی دل میں اترتی محسوس ہوتی۔

امارت جماعت کی حساس، نازک اور گراں بار ذمہ داری کی بحسن وخوبی ادائیگی کے ساتھ مولانا بحیثیت نائب صدر کل ہند مسلم پرسنل لا بورڈ، کل ہند مسلم مجلس مشاورت، بابری مسجد رابطہ کمیٹی کے علاوہ متعدد ملی وملکی تنظیموں واداروں میں ذمہ دارانہ حیثیت سے سرگرم رول ادا کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بیرون جماعت بھی مسلم وغیر مسلم حلقوں میں یکساں طور پر قدر واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ مجھے یاد آتا ہے کہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی خودنوشت سوانح حیات ’’کاروان زندگی‘‘ میں مولانا محمد سراج الحسنؒ کی بے لوث عملی سرگرمی، حسن تدبیر اور خوش انتظامی کی تحسین فرمائی ہے۔ مولانا کے دور امارت میں دارالعلوم دیوبند، اور ندوۃ العلماء سے خوشگوار مراسم استوار ہوئے، جس کے نتیجے میں جماعت اور ان اداروں کا درمیانی فاصلہ بتدریج کم ہوا اور تعلقات کی زمین پر ایک عرصے سے جمی ہوئی کائی چھٹتی محسوس ہوئی۔

مولانا علمائے کرام کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ نے انھیں تواضع، انکساری اور فروتنی جیسی اعلیٰ صفات سے خوب نوازا تھا۔ چنانچہ ملاقاتوں میں کسی تکلف اور تصنع سے پاک یہ خوبیاں صاف طور پر محسوس کی جاتی تھیں، اور اگر ملاقاتی کوئی عالم دین ہوتا تو یہ کیفیت مزید دوچند ہو جاتی۔ کئی مواقع میرے حافظے میں محفوظ ہیں، جس کے اظہار میں تحریر کی طوالت کا احساس مانع ہے۔

سیاسی حضرات سے بھی مولانا کے گہرے مراسم تھے۔ مرکزی اور ریاستی سطح کے متعدد سیاسی رہنما آپ کے ربط وتعلق میں تھے۔ بقول شخصے کرناٹک کے سابق وزیر اعلیٰ رام کرشنا ہیگڑے کا مولانا سے عقیدت مندانہ تعلق تھا۔

طلباء و نوجوانوں سے مولانا کو غیر معمولی شغف تھا۔ موصوف ان کی تربیت و تزکیہ پر خصوصی توجہ رکھتے۔ کل ہند سطح پر طلباء و نوجوانوں کی تنظیم ’اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن‘ (SIO) کے قیام میں مرکز جماعت کے دیگر اکابر کے ساتھ مولانا کا بڑا اہم رول تھا۔ SIO کے جس اجتماع میں ان کی شرکت ہوتی طلباء ان کو گھیرے رہتے اور ان کے زریں خیالات سے مستفید ہوتے۔ ہماری جماعت میں شخصیت پرستی کا کوئی ادنیٰ تصور بھی نہیں پایا جاتا، تاہم بعض شخصیات ایسی پُرکشش ہوتی ہیں، جن کی غیر محسوس اثر اندازی سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اگر کسی کو ایسی شخصیت میسر ہو اور اس کے اندر اثر پزیری کی کیفیت مفقود ہو یا پیدا نہ کرے تو اسے بڑی محرومی ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مولانا کے ربط وصحبت میں آنے والے کتنے ہی صالح اور پاک طینت طلباء و نوجوان ان سے فیض یاب ہوئے اور ان میں سے کئی، آج جماعت کے مختلف مناصب پر تحریک و تنظیم کی بیش بہا خدمات انجام دے رہے ہیں۔

اللہ کی مشیت کہ مولانا نے ایسے عالم میں داعی اجل کو لبیک کہا کہ جب ملک میں نقل وحمل کے سارے ذرائع معطل اور مسدود ہیں۔ ان کے چاہنے والوں کی بڑی تعداد ان کے آخری دیدار اور تدفین میں شرکت سے محرومی کی وجہ سے زخمی پرندے کی طرح پھڑ پھڑا کر رہ گئی۔ بہرحال ہم اللہ رب العزت سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مولانا کی بھول چوک، خطاؤں اور غلطیوں کو درگزر فرمائے۔ خدمات کو شرف قبولیت بخشے، اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، ان کے پس ماندگان اور متعلقین کے ساتھ ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور دعوت وتحریک کے حوالے سے ہمیں بھی ان کے جیسی تڑپ، جذبۂ صادق اور جوش عمل سے نوازے۔ موجودہ ملکی بلکہ عالمی سطح پر تغیر پزیر حالات میں نصب العین کے حصول کے لیے ان اوصاف کی ضرورت دوچند ہو گئی ہے۔

نظر

چراغ کی روشنی

کرناٹک سے مرکز تک

ڈاکٹر محمد رفعت

مولانا محمد سراج الحسن صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند کرے۔ اللہ ان کے اہلِ خانہ کو صبرِ جمیل کی توفیق دے۔ امت مسلمہ کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔ سراج کے لغوی معنی، عربی زبان میں چراغ کے ہیں۔ مولانا کی شخصیت چراغ تھی۔ انھوں نے اندھیروں کو مٹایا۔ یہ تاثرات لکھنے والا چالیس سال قبل جماعت اسلامی ہند کا رکن بنا تو مقالوں کا مجموعہ بھی پڑھا۔ یہ مقالے جماعت اسلامی ہند کی مرکزی مجلس شوریٰ کے ارکان نے لکھے تھے۔ اس وقت جماعت میں یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ ملک کے موجودہ نظام سے کیا تعلق رکھا جائے۔ خاص طور پر الیکشن میں حصہ لیا جائے یا نہ لیا جائے۔ مقالات کے اس مجموعہ میں سراج صاحب کا مقالہ بھی شامل تھا جو مختصر مگر فکر انگیز تھا۔ جناب افضل حسین صاحب جماعت کے قیم تھے۔ انھوں نے اس سلسلے میں ایک کتاب بھی ترتیب دی تھی۔ کتاب کا نام تھا ''ستائیس سال''۔ ملک کی آزادی کے بعد جماعت اسلامی ہند نے اپنے سفر کا آغاز 1948 کے اجتماع سے کیا تھا۔ وہاں ابواللیث ندوی صاحب جماعت اسلامی ہند کے امیر منتخب کیے گئے تھے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے اور ان کی خدمات کو قبول کرے۔ ''ستائیس سال'' میں افضل حسین صاحب نے جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ میں زیر بحث اہم موضوعات کا تذکرہ کیا تھا۔ کلیدی سوالات ملک کی آزادی کے بعد کے نئے احوال اور نئے نظام سے متعلق تھے۔ ان سوالات کے بارے میں جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ کے ارکان کی رائیں مختلف تھیں۔ ارکان نے اپنے اپنے دلائل بھی دیے تھے۔ ان رایوں اور دلائل کا تذکرہ افضل صاحب نے مذکورہ کتاب میں کتاب کے آخری حصے الیکشن میں حصہ لینے کے بارے میں رایوں کا تذکرہ ہے۔ کتاب جس نے بھی پڑھی اسے دلچسپ پایا۔ مرکزی مجلس شوریٰ کے ارکان کے مقالات اور افضل حسین صاحب کی کتاب پڑھنے کے بعد ان بہت سارے سوالات کے جواب ملے جو ذہن میں تھے مگر کچھ نئے سوالات بھی پیدا ہوئے۔

ان اہم سوالات پر گفتگو اور بحث کے لیے تحریریں

کافی نہ تھیں، چنانچہ ایک باقاعدہ اجتماع کی ضرورت محسوس کی گئی۔ مرکز جماعت نے اعلان کیا کہ بھوپال میں جون 1978 میں اجتماع منعقد ہوگا۔ مدھیہ پردیش کے امیر حلقہ جناب انعام الرحمن خاں صاحب اس اجتماع کے ناظم مقرر کیے گئے۔ زندہ دل، حاضر جواب، اعلیٰ ادبی ذوق رکھنے والے، منکسر مزاج، نرم خو، مہمان نواز، رائے میں سخت، اظہار رائے میں نرم اور کردار کے غازی۔ اللہ ان کی مغفرت کرے۔ اجتماع کے موضوعات جو تبادلہ خیال کے لیے طے کیے گئے تھے چار تھے: موجودہ نظام، ملّی مسائل، اقامتِ دین کی راہ اور الیکشن میں شرکت۔ پہلے دو موضوعات پر دو اہل علم سے مقالے لکھنے کی گزارش کی گئی تھی۔ جناب سید احمد عروج قادری صاحب اور جناب یوسف صاحب (ماہر قانون، حیدرآباد)۔ دوسرا عنوان ملّی مسائل کا تھا۔ اس پر جناب سید حامد علی صاحب اور افضل حسین صاحب نے مقالے لکھے۔ تیسرا موضوع اقامتِ دین سے متعلق تھا۔ اس عنوان پر جناب صدرالدین اصلاحی صاحب اور جناب ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی صاحب سے مقالے لکھنے کے لیے کہا گیا تھا۔ آخری عنوان الیکشن میں شرکت تھا۔ اس کے بارے میں چار مقالے لکھے گئے۔ مقالے لکھنے والے یہ تھے: جناب ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی صاحب، جناب انعام الرحمن صاحب، جناب عبدالعزیز صاحب اور جناب عبدالفتاح صاحب۔ یہ تمام احباب مقالے لکھ کر لائے۔ مقالات اور بھوپال کی اجتماع کی روداد بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوئی۔

اجتماع کا آغاز اپنے وقت پر ہوا۔ تمام ارکان جماعت کو شرکت کی اجازت تھی، لیکن شرکت لازم نہ تھی۔ عنوانات دلچسپ اور مقالات لکھنے والے سب اعلیٰ درجے کے عالم تھے۔ اس لیے لوگ بڑی تعداد میں ذوق وشوق کے ساتھ شریک ہوئے۔ البتہ جماعت کی مجلس نمائندگان کے تمام ارکان سے اجتماع میں شرکت کی گزارش کی گئی تھی۔ بیش تر احباب تشریف لائے۔ سراج صاحب شریک اجتماع تھے۔ اجتماع کی صدارت امیر جماعت جناب یوسف صاحب نے کی۔ اللہ ان کی مغفرت کرے۔ اجتماع میں جناب ڈاکٹر عبدالحق صاحب بھی آئے۔ وہ کچھ عرصہ قبل ہی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے تھے۔ اجتماع کے موضوع کے بارے میں انھوں نے بھی ایک مقالہ لکھا تھا جو کتابی شکل میں موجود تھا۔ اجتماع کے جو شرکاء خواہش مند تھے ان کو عبدالحق صاحب کے مقالے کی کاپی دی گئی۔ اللہ عبدالحق صاحب کی مغفرت فرمائے۔ اجتماع میں مقالات پڑھے گئے۔ شرکاء کو سوال کرنے اور اظہار خیال کرنے کا موقع دیا گیا۔ اجتماع کے اختتام پر مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس وہیں اجتماع گاہ میں منعقد ہوا۔ اجلاس میں یہ تجویز پیش ہوئی:

''متعین مقاصد کے حصول کے لیے ارکانِ جماعت کو پارلیمنٹ اور اسمبلی کے انتخابات میں ووٹ دینے کی اجازت ہے۔''

اس تجویز پر مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں موجود ارکان کی رائیں لی گئیں۔ کثرت آراء سے یہ تجویز نامنظور ہوگئی۔

سراج صاحب صوبہ کرناٹک کے امیر حلقہ کی حیثیت سے مدت تک خدمات انجام دیتے رہے۔ 1990 میں ان کو امیر جماعت منتخب کیا گیا۔ 13 سال تک امیر جماعت کی حیثیت سے انھوں نے کام کیا۔ قرآن وسنت پر مبنی درست فکر پر جماعت کو قائم رکھا۔ وقت ضائع کرنے کی حوصلہ شکنی کی، رایوں کے اختلاف کو فطرت انسانی کا ناگزیر تقاضا سمجھا، کسی کو رائے رکھنے کی آزادی سے نہیں روکا، اہم اجتماعی امور پر ہمیشہ مشورے طلب کرتے رہے، کثرت آراء سے جو طے ہوا، اس کی پابندی کی۔ صحت کی خرابی کو کام میں حائل نہیں ہونے دیا۔ اس طرح جماعت کو جہاں بانی سکھائی۔ ہمارے اسلاف بھی ایسے ہی تھے۔

> جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب
> ظلمتِ یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں

مولانا محمد سراج الحسنؒ

محمد اقبال ملاؔ
(سکریٹری جماعت اسلامی ہند)

مولانا محمد سراج الحسن جولگیرہ (گادھا) ضلع رائچور، کرناٹک کے رہنے والے تھے۔ مولانا کا خاندان عرصۂ دراز قبل جولگیرہ سے شہر رائچور منتقل ہوا تھا۔ مولانا جماعتِ اسلامی ہند کی امارت سے سبکدوش ہوکر رائچور ہی میں رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں، بھلائیوں اور دین کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کی غلطیوں، کمزوریوں سے عفوودرگزر فرمائے۔ آمین!

مولانا 1958 میں غالباً 26-25 سال کی عمر میں حلقہ میسور کی امارت پر فائز ہوئے۔ ان کا دورِامارت 26 سالہ طویل مدت پر محیط ہے۔ 1984ء میں وہ مرکز جماعت میں کل ہند سکریٹری مقرر ہوئے۔ 1990 تک اس ذمہ داری کو نبھایا۔ 1990 تا 2003 میں امیر جماعت کی حیثیت سے قیادت کی نازک ذمہ داری ادا کرتے رہے۔ مولانا ایک کامیاب امیر حلقہ رہے۔ انھوں نے حلقہ کا چارج سنبھالا تو کام بہت محدود تھا۔ مولانا نے سخت محنت اور جدوجہد کی۔ بعد میں چل کر یہ حلقہ کرناٹک ریاست کے نام سے موسوم ہوا۔ میں نے بسا اوقات مولانا کو بیل گاڑی، ٹریکٹر، لاری، گھوڑے کی سواری، بسوں میں سیٹ نہیں ملنے پر کھڑے رہ کر سفر کرتے دیکھا ہے۔ اس زمانے میں عرصۂ دراز کئی شہروں کی انجمنوں کی جانب سے سیرت رسولؐ کے ماہ ربیع الاول میں جلسے کثرت سے ہوتے تھے۔ مولانا کو دعوت دی جاتی تھی، شرکت فرماتے، مؤثر خطاب ہوتا۔ جماعت اسلامی کے مقرر کی حیثیت سے تعارف ہوتا، یہی بعد میں جماعت سے متاثر حضرات حلقہ بنا کر کام کرتے۔ غرض مولانا نے اپنی ان تھک محنت سے پوری ریاست کے اہم شہروں کی شخصیات میں جماعت کا تعارف کرایا۔ حلقے قائم ہوئے۔ بیت المال کی رقم کے صرف کے سلسلے میں مولانا کی احتیاط کا عالم یہ تھا کہ مرکز آنے کے بعد بھی کتنے ہی اسفار میں ٹرین کے AC کوچ میں سفر کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔

مولانا نے ارکان اور وابستگان جماعت کی بہترین انداز سے تربیت کی۔ ان کی توجہ تربیت اور داخلی استحکام پر بہت زیادہ ہوتی تھی۔ وہ رفقاء کی کوئی کمزوری علم میں آجانے کے بعد بلا تاخیر اصلاح فرماتے۔ خطوط نویسی ان کا معمول تھا۔ کسی مقامی جماعت یا حلقہ کارکنان وغیرہ میں کوئی قابل اصلاح بات سامنے آجاتی تو فوری توجہ کرتے۔ اس بات کو حلقہ میں کبھی عام نہیں کرتے۔ اصلاح وتربیت میں عزت نفس اور خودداری کا بہت لحاظ رکھتے۔ سب سے

بڑھ کر مولانا کی زندگی ایک بہترین مردمومن، مجاہد، داعی الی اللہ، مربی، مشفق بزرگ کی تھی۔ مولانا مزاج شناسِ رسولؐ تھے۔ ان کے قول وفعل میں تضاد نہیں تھا۔ مولانا کے دروس قرآن، خطابات اور گفتگو بہت موثر ہوتی تھی۔

مولانا کثرت سے مختلف تحریکی معاملات، مسائل اور امور میں مشورہ کرتے تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ انھوں نے اپنے رفقاء کو مشورہ کرنے کا عادی بنایا، اس کی اپنے عمل سے تربیت دی بعض اوقات رفقا کہتے کہ فلاں معاملہ میں مشورہ کی ضرورت نہیں تھی، آپ فیصلہ فرمالیتے لیکن مولانا اپنی خو یا عادت کو چھوڑنے والے نہیں تھے۔ غرض اس معاملہ میں یعنی مشورہ کرنے میں ان کے برابر کوئی دوسرا ذمہ دار نہیں تھا۔

مولانا باصلاحیت، قابل اور محنتی افراد کی بھرپور قدر کرتے تھے۔ انہیں مختلف ذمہ داریوں اور کاموں کے لیے منتخب کرنا اور کام لینا ان کی زبردست خوبی تھی۔ وہ حوصلہ افزائی کرتے، دعائیہ کلمات سے نوازتے۔ نوجوانوں کی تربیت کا خاص خیال رکھتے۔ تحریکی اسفار میں ان کو اپنا ہم سفر بناتے۔ مولانا کے دن اور راتیں سب کھلی کتاب تھیں۔ تہجد کی پابندی قابلِ رشک۔ دعاؤں کا اہتمام ایک نمونہ، دوسروں کی مدد، مسائل کے حل کے لیے نام لے لے کر دعا کرنا۔ مولانا نے اپنی زندگی میں بڑی تیزی کے ساتھ نوجوانوں کو مناصب پر فائز کرکے ان کو قیادت کے مقام پر لانے میں بڑی کامیابی پائی۔ مولانا اکثر کہتے تھے کہ حسن وسلیقہ اور شائستگی سے خود کام کرنا ایک فن ہے اس سے بڑا گر یہ ہے کہ آپ دوسروں سے کام لیں۔

مولانا نے ہر محاذ پر کام کو وسعت دی۔ خواتین، طلبا اور نوجوانوں میں۔ کالج اور تعلیمی اداروں کے طلبا مولانا کی پرکشش شخصیت سے بہت متاثر تھے۔ راقم نے ان کو اپنے ہائی اسکول کی طالب علمی (1966-1963) کے دور میں دیکھا۔ چہرے پر بڑی سی گھنی کالی داڑھی، جناح کیپ، شیروانی میں ملبوس، متاثر کن شخصیت تھی۔

مولانا نے حلقہ میں اہم شخصیتوں سے ملاقاتوں کا منصوبہ بند سلسلہ جاری کررکھا تھا۔ جماعتی مصروفیات بہت تھیں لیکن ان کی ملاقاتوں اور روابط میں کوئی کمی یا کوتاہی کا سوال ہی نہیں تھا۔ ملاقاتوں کا دائرہ وسیع تھا۔ مثلاً علمائے کرام، ملی قائدین ملی تنظیموں کے سیاسی لیڈر، مسلم وغیر مسلم، صحافی مسلم وغیر مسلم، اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلم وغیر مسلم حضرات جن سے بھی ملاقات کرتے وقت پہلے سے طے ہوتا، اس کی بہت سختی سے پابندی کرتے اور رفقا سے کراتے تھے۔ ملاقاتوں میں حسبِ موقع چند احباب کو ساتھ رکھتے۔ ساتھی رفقا کو عملی تربیت حاصل ہوتی کہ منتخب اور اہم شخصیتوں سے کس طرح ملنا چاہیے۔ گفتگو کس طرح کرنا چاہیے، اختلافی امور و مسائل میں ہمارا طرزِ عمل کیسا ہونا چاہیے، وغیرہ۔

حلقہ کرناٹک میں رہتے ہوئے مولانا کو پڑوسی حلقوں میں مختلف پروگراموں اور دوروں کے لیے اکثر بلایا جاتا۔ حلقہ تمل ناڈو، حلقہ آندھرا، وغیرہ۔

مولانا 1990-1984 مرکز دہلی میں بحیثیت کل ہند سکریٹری مقرر کیے گئے۔ اپنے پیچھے مولانا نے ایک مضبوط، وسیع اور بہترین تنظیمی حلقہ، حلقہ کرناٹک چھوڑا۔ تنازعات، داخلی مسائل اور کسی بڑی کمزوری سے پاک حلقہ۔ مولانا کے مرکز منتقل ہونے کے بعد مولانا محمود خاں صاحب گلبرگہ، حلقہ کے امیر مقرر کیے گئے۔

مرکزی سکریٹری کی حیثیت سے مولانا کی ایک اہم تحریکی خدمت یہ رہی کہ پورے ملک کے حلقوں میں منتخب مقامی جماعتوں کا تنظیمی اور تربیتی دورہ کیا۔ ارکان سے بڑی تعداد میں ملاقاتیں کیں۔ اتنا وسیع اور مقامی سطح کا دورہ پہلے نہیں ہوسکا تھا۔ اس دورے میں آپ کے مشاہدات، تجربات اور معلومات روایتی نہ ہوکر زمینی حقائق پر مبنی تھے۔

مولانا کرناٹک میں بحیثیت امیر حلقہ جن اہم تحریکی اموراور معاملات کو پوری تندہی سے آگے بڑھارہے تھے اب ان کے لیے پورا ملک دائرہ کار بن گیا یعنی افراد سازی، قیادت

سازی، ملاقاتیں اور روابط، مقامی یونٹوں اور ارکان کی تربیت، توسیع وتعارف جماعت وغیرہ۔

مولانا ملی اداروں اور اجتماعی پلیٹ فارمس کی ہمیشہ قدر کرتے اوران کے استحکام اور فعالیت کے لیے کوشاں رہتے۔آل انڈیا پرسنل لابورڈ کے وہ نائب صدر تھے۔مسلم مجلس مشاورت وغیرہ کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے۔

بحیثیت مرکزی سکریٹری جماعت وہ بہت کامیاب رہے۔مولانا 1990 تا 2003 امیر جماعت اسلامی ہند منتخب ہوتے رہے۔حلقہ کرناٹک کی مدت قیام میں ان کی دلچسپی کا میدان دعوت اسلامی تھا۔لہٰذا مولانا نے ہندی زبان سیکھی، وہ برادرانِ وطن سے ہندی زبان میں دعوتی خطابات فرماتے۔برادرانِ وطن بے حد متاثر ہوتے۔ وہ جماعت میں دعوت کے حوالے سے فکر مند بھی تھے چنانچہ ایک پوری میقات (4سال) میقاتِ دعوت قرار دے کر پورے ملک میں جماعت کے وابستگان اور مسلمانوں میں دعوت دین کے فریضہ کا شعور بیدار کیا۔دعوت کے لیے لٹریچر کی تیاری سے گہری دلچسپی تھی، چنانچہ علاقائی زبانوں میں دارالاشاعتوں میں مرکز سے خصوصی نمائندہ کو بھیجا تاکہ وہ ان چیزوں کا جائزہ لے۔

دھارمک جن مورچہ کا قیام بہت اہم قدم تھا۔مولانا نے وسیع پیمانے پر سکھ، ہندو، جین، عیسائی مذاہب کے اہم رہ نماؤں سے روابط پیدا کیے۔ وہ حضرات مورچہ میں شریک رہے۔ دھارمک جن مورچہ اس زمانے میں فعال رہا۔ اسی طرح فورم فارڈیموکریسی اینڈ کمیونل ایمٹی کو بھی متحرک کیا گیا۔

مولانا بحیثیت امیر جماعت جماعت میں الیکشن اور ووٹ دینے کے مسائل میں اپنے مخلص رفقا کے اختلافِ رائے اور بسا اوقات تیز و تند تنقیدوں کو برداشت کرکے نہایت صبر و حکمت سے داخلی محاذ پر کامیاب رہے۔ جماعت کی تاریخ کا یہ بہت نازک مرحلہ تھا۔

کرناٹک میں دورانِ امارتِ حلقہ مولانا نے ایک اہم کام کنٹری لٹریچر کی اشاعت کا کیا۔اس کے لیے باقاعدہ ٹرسٹ قائم کیا گیا۔کنٹرزبان میں ترجمہ قرآن بعد میں تلخیص تفہیم القرآن کا کنٹری ترجمہ پہلی جلد میں شائع کرایا گیا۔ان کی اشاعت کے بعد تعارفی تقاریب حلقہ کے اہم منتخب شہروں میں منعقد کی گئیں۔ اس سے قبل بنگلور اور منگلور میں رسم اجراء کے پروگرام بہت کامیاب رہے۔ سیرتِ رسولؐ اور احادیث کا مجموعہ دیگر لٹریچر شائع کیا گیا۔مولانا نے کنٹری میں لکھنے والے مصنّفین مترجمین کی ایک ٹیم تیار کی۔منگلور اس کا مرکز قرار پایا۔ایک ہفتہ وار ''سن مارگ'' جماعت کا ترجمان جاری کیا۔

مولانا کی شخصیت سے میں بہت متاثر رہا۔مولانا کو ہمیشہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا فکرمند اور کوشاں پایا۔ان کی زندگی میں کم ازکم مجھے کوئی بات قابلِ اصلاح نہیں محسوس ہوئی۔ جولگیرہ کے چھوٹے سے گاؤں میں برادرانِ وطن اور مسلمان دونوں ان کے حسنِ اخلاق اور حسنِ سلوک کے گرویدہ تھے۔

مولانا نے اپنے والدمحترم کی جائیداد اپنی بہنوں، دیگر وارثین کو شریعت کے مطابق ان کے حصے پورے عدل و انصاف سے ادا کردیے۔

فرائض کا اہتمام بھرپور طریقے سے کرتے ہوئے وہ نوافل، اذکار اور تہجد کا اہتمام سفر وحضر ہر زمانے میں پابندی سے کرتے۔رمضان کے بعد شوال کے نفل روزوں کا اہتمام ان کی زندگی میں لائق دید تھا۔

مطالعہ کتاب وسنت کے ساتھ تازہ تحریکی لٹریچر کے مطالعے کے لیے وقت بھی نکالتے۔ایک ریڈیو رکھ کر تازہ خبروں سے باخبر رہتے۔ ایک سے زائد بار (ایمرجنسی کے علاوہ) سنتِ یوسفی کی سعادت پائی۔

مولانا دوسروں سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرتے۔کبھی غصہ، غیبت، سخت کلامی کا تجربہ نہیں ہوا۔مولانا نے طویل حیات پائی، ان کی یاد بھلائی نہ جاسکے گی۔

مولانا سراج الحسن صاحب

تاثرات، احساسات، یادیں

گزشتہ دنوں سابق امیر جماعت اسلامی ہند مولانا محمد سراج الحسن صاحبؒ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ مولانا جماعت اسلامی ہند کے صف اول کے قائد اور مربی تھے۔ اس موقع پر ادارہ رفیق منزل کی جانب سے بعض ذمہ داران جماعت و رفقاء کے احساسات کو نذر قارئین کیا جا رہا ہے۔

پیش کش۔ محمد معاذ

جماعت کے اندر اس امر کا ہونا فطری ہے کہ بعض امور میں فکری ہم آہنگی کے باوجود اختلافات ہو جائیں۔ قائد کی بھی ایک فکر ہوتی ہے۔ کامیاب قیادت وہ ہے جو شورائیت کو ملحوظ رکھے۔ مولاناؒ شورائیت کا اہتمام کرتے تھے۔ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں مشورے کیا کرتے تھے۔ اکثریت کے مشورے کا خیال رکھنا ایک مشکل کام ہے۔ اکثریت کی رائے کو خوش دلی سے تسلیم کرنا ایک نازک اور مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ مولاناؒ اس معاملے میں بہت فراخ دل تھے۔ شاید ہی ایسا ہوتا کہ وہ اکثریت کی رائے کے مقابلے میں اپنی رائے پر اصرار کریں۔ مولانا محمد سراج الحسنؒ کی یہ نمایاں خوبی تھی کہ وہ اکثریت کی رائے کے مقابلے میں اپنی ذاتی رائے کو قربان کر دیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ تقررات کے سلسلے میں بھی اکثریت کی رائے کا خیال رکھتے تھے۔ مولاناؒ کو اپنی غلطی یا کمزوری کو ماننے میں کوئی تکلف نہیں محسوس ہوتا تھا۔

مختلف اجتماعی پلیٹ فارمس جیسے پرسنل لا بورڈ اور مسلم مجلس مشاورت میں لوگ ان کی بات بڑی توجہ سے سنتے تھے۔ خاص طور سے نزاعی حالات میں مولاناؒ پر اعتماد کیا کرتے تھے۔ قاضی مجاہد الاسلامؒ کے زمانے میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجالس میں ان ہی کو معتمد تسلیم کیا جاتا تھا۔ مولاناؒ کے معتقدین کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ جماعت سے باہر کے رفقاء بھی ان کی بات کو بہت وزن دیتے تھے۔

مولاناؒ معمولات کے بہت پابند تھے۔ مثال کے طور پر مولاناؒ دو کپ چائے صبح اور دو کپ شام کو پیتے تھے۔ اس معمول میں بھی سر مو فرق نہیں آتا تھا۔ یہ مولاناؒ کی مستقل مزاجی کی دلیل تھی۔

سراج الحسن صاحبؒ شخصی خطوط بڑی پابندی سے لکھا کرتے تھے۔ وہ خطوط کا جواب دینے میں کبھی تاخیر نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ دوروں اور دن بھر کے اجلاس سے فارغ ہونے کے بعد بھی دیر رات تک خطوط کے جواب دے دیا کرتے تھے۔ تہجد کے بڑے پابند تھے۔ دیر رات تک کام کرنے کے باوجود تہجد کے لیے بیدار ہو جاتے تھے۔

ان کے اندر غیر معمولی بات یہ تھی کہ وہ کسی تلخ بات کو بھی اپنے ذہن پر بوجھ نہیں بننے دیتے تھے۔

ان کی زندگی بہت اتار چڑھاؤ سے گزری۔ ایک زمانہ ایسا آیا کہ وہ مقروض ہو گئے۔ لہٰذا انھوں نے قرض لے کر تجارت میں رقم لگائی اور آہستہ آہستہ اس بوجھ سے باہر آئے۔ ایک بار مولانا ابواللیثؒ نے بیت المال سے رقم لینے کی پیش کش کی۔ لیکن مولانا سراجؒ نے کہا

کہ ''مولانا آپ دعا کردیجیے، کہ اللہ میرے کھیتوں میں ہی برکت دے دے۔ میں اعزازی خدمت ہی کرنا چاہتا ہوں۔''

جناب محمد جعفر صاحب

(نائب امیر جماعت اسلامی ہند)

غالباً سن 1974ء میں مولانا سراج الحسنؒ کو حیدرآباد کے مقامی اجتماع میں دیکھنے کا اتفاق ہوا پہلی ہی نظر میں مولانا ؒ کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا۔ اس کے بعد بارہا مولانا محمد سراج الحسنؒ کے دروسِ قرآن، خطابات، تقاریر سننے کا موقع ملتا رہا۔ آپؒ کا اندازِ بیان بہت سادہ اور سلیس تھا۔ اکثر آپؒ کے خطبات مجھے یاد ہو جایا کرتے تھے۔

مولانا محمد سراج الحسنؒ سے قربت ایس آئی او حلقہ مہاراشٹر کے ممبرس کیمپ میں ہوئی، اس وقت میرے اوپر ایس آئی او حلقہ مہاراشٹر کی ذمہ داری تھی۔ 1991 میں امیر جماعت اسلامی ہند کی حیثیت سے مولانا ؒ پونہ تشریف لائے۔ اس وقت میں ذہنی طور سے تھوڑا پریشان تھا کیونکہ میرے دو بیٹوں کا پیدائش کے کچھ عرصہ بعد انتقال ہوگیا تھا۔ تیسرے بیٹے کی ولادت ہوئی تھی۔ مولانا ؒ کو کہیں سے اطلاع مل گئی تو وہ دورہ کے دوران ہی میرے گھر تشریف لائے اور بیٹے کو گود میں لے کر اس کی طویل عمری اور صحت کی دعا کی۔ اس واقعہ سے مجھے بہت طمانیت محسوس ہوئی۔

ایک بار حیدرآباد میں فساد کے موقع پر میرے رشتے کے بھائی کے گھر پر فسادیوں نے حملہ کردیا۔ ان کے گھر پر ایک غیر مسلم خاندان بھی کرائے پر رہتا تھا۔ اس خاندان کے افراد نے بھائی کے گھر والوں کی جان بچائی۔ اور خود زخمی ہونا گوارہ کرلیا۔ مولانا ؒ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی۔ چنانچہ حیدرآباد کے ایک دورے میں وہ خصوصی طور پر اس خاندان کے افراد سے ملے اور ان کی خیر خواہی اور ہمدردی کا شکریہ ادا کیا۔

سفر کے دوران بھی مولانا ؒ مسافروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے اور بہت جلد ان سے گھل مل جاتے۔ ان کے ساتھ سفر بہت آسانی سے کٹ جاتا تھا۔ مولانا ؒ نجی خطوط بڑی پابندی سے لکھا کرتے تھے۔ تمام رفقاء کی خبر گیری کرتے اور باصلاحیت نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ ان کی زندگی حسنِ کردار سے عبارت تھی۔

سید عزیز محی الدین

(سکریٹری جماعت اسلامی ہند)

مولانا محمد سراج الحسنؒ 3 مارچ 1933 کو جولگیرہ ضلع رائچور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام ابوالحسنؒ تھا اور والدہ محترمہ پاشا بیگمؒ۔ مولانا مرحوم اپنی پانچ بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے۔ کم عمری ہی میں والد محترم اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے اور گھر کی ذمہ داری محترم سراج الحسنؒ کے کاندھوں پر آگئی۔ مولانا مرحوم کے والد اپنے پیچھے تقریباً چھ ہزار ایکڑ اراضی چھوڑ گئے تھے۔ اس وسیع وعریض اراضی کی دیکھ ریکھ خاصا مشکل کام تھا۔ 1948 کے حیدرآباد پولیس ایکشن کے دوران مولانا ؒ کی زیادہ تر اراضی پر قبضہ ہوگیا اور 500 ایکڑ اراضی باقی رہ گئی۔ مزید اراضی حاصل کرنے کی مولانا ؒ نے کوشش نہیں کی۔ اس حادثے کے بعد محترم سراج الحسنؒ کا خاندان شہر رائچور منتقل ہوگیا۔ مولانا ؒ کی والدہ ایک دیندار خاتون تھیں۔ ان کی تربیت کے نقوش مولانا ؒ کی شخصیت پر نمایاں تھے۔ رائچور آنے کے بعد جلد ہی مولانا ؒ ایک بزرگ سے بیعت ہوگئے۔ کچھ عرصے بعد ان کی ملاقات دادا مرحوم محمد جعفر منیارؒ سے ہوئی۔ محمد جعفر منیارؒ کی کوششوں سے جلد ہی مولانا سراج الحسنؒ جماعت اسلامی ہند میں شامل ہوگئے۔

جماعت میں شامل ہونے کے ایک سال بعد ہی حلقہ میسور کی امارت کی ذمہ داری مولانا ؒ کے کاندھوں پر آگئی۔ چند برسوں بعد امیر حلقہ کرناٹک وگوا مقرر کیے گئے۔ اس ذمہ داری کو بھی مولانا ؒ نے بحسن وخوبی نبھایا۔ آپؒ سائیکل سے ہی پورے ضلع کا دورہ کرلیا کرتے تھے۔ ریاست کرناٹک میں توسیع واستحکام کے سلسلے میں مسلسل دورے اور روابط کو مستحکم کرنے کے لیے شخصی خطوط بڑی پابندی سے لکھا کرتے تھے۔

برادرانِ وطن کے درمیان بھی آپؒ کی شخصیت بڑی متاثر کن رہی۔ دعوت وتربیت پر مولانا ؒ کی خصوصی توجہ رہی۔ ایک بار حلقہ آندھرا پردیش اور اڑیسہ کی ایک کانفرنس وجے واڑہ میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں شریک ہوئے سوامی شنکر آچاریہ نے کہا کہ اگر ''پربھو میری آخری خواہش پوچھے گا تو میں کہوں گا کہ سورگ میں مجھے محمد سراج الحسنؒ کی رفاقت ملے۔'' محترم سراج الحسنؒ اپنے اخلاق وکردار کا لوہا ہر محفل میں منوا لیا کرتے تھے۔ ہر خاص وعام، اجنبی وشناسا سے بڑی اپنائیت

سے ملتے تھے۔ رفقاء جماعت سے کہا کرتے تھے کہ ''در بنو دیوار نہیں۔'' یعنی تمھیں دیکھ کر لوگوں کو دینِ اسلام اپنانے میں کوئی تردد محسوس نہ ہو۔ مولاناؒ کو محفل کو گلِ گلزار کرتے ہوئے نصیحت کا فن بخوبی آتا تھا۔

مولاناؒ کا مطالعہ خاصا وسیع تھا۔ گو کہ مولاناؒ کسی درسگاہ سے فارغ نہیں تھے لیکن علوم دینیات کے علاوہ عمرانیات پر بھی آپ کی گہری نگاہ تھی۔ ادب وفنونِ لطیفہ سے بھی گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ مطالعہ کے سلسلے میں رفقاء کو نصیحت کرتے تھے کہ ''تین 'ت' کا خیال رکھنا چاہیے: تسلسل، ترتیب اور تکرار۔''

1992 میں جب جماعت پر پابندی لگی تو رفقاء جماعت کو تسلی دیتے ہوئے کہتے کہ ''جماعت پر پابندی لگی ہے اسلام پر نہیں۔'' مشکل حالات میں بھی آپؒ کی نرمی اور ٹھہراؤ میں فرق نہیں آتا تھا۔ رات کے آخری پہر میں بیدار ہوکر ذکر واذکار میں مصروف ہوجاتے تھے۔ کچھ مخصوص امراض جیسے آدھے سر کا درد اور بواسیر کا علاج دعائیں دم کر کے کیا کرتے تھے اور یہ عمل سفر کے دوران بھی جاری رہتا۔

مولاناؒ کی پابندی وقت کا یہ عالم تھا کہ بعض رفقاء انھیں دیکھ کر اپنی گھڑی درست کرلیا کرتے تھے۔ آخری دور میں بھی پابندیِ وقت کے سلسلے میں بہت حساس رہتے تھے۔ ان کی زندگی میں تحریک اسلامی کے جواں سالہ نوجوانوں کے لیے بہت سے اسباق ونصائح ہیں۔ اللہ تحریک کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین!

محمد معاذ سلمان منیار

(سکریٹری ایس آئی او آف انڈیا)

دیگر امراء جماعتِ اسلامی ہند کی طرح مولانا محمد سراج الحسن صاحبؒ سے تعلقات اور قربت رہی۔ مولانا کی شخصیت کا خاص پہلو ان کی تواضع وانکساری ہے۔ مرحوم بیماری اور کمزوری کی حالت میں بھی بھرپور تواضع اور مہمان نوازی کرتے تھے۔ ایک بار مرکز جماعت کے کانفرنس ہال میں ایک کانفرنس کی نظامت کا اتفاق ہوا۔ دن بھر کا یہ پروگرام میرے ہی ایما پر منعقد ہوا تھا۔ مولاناؒ نے مجھ سے پوچھا کہ مہمانوں کے کھانے کا بھی انتظام کیا ہے؟ میرے منع کرنے پر مولانا مرحوم نے خود ہی عشائیہ کی پیش کش کی۔ مولاناؒ ہر خاص و عام سے بڑی خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ ان کی ذرہ نوازیوں سے ہم جیسوں کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔

سید منصور آغا

(سابق سب ایڈیٹر دعوت، سابق ایڈیٹر قومی آواز)

مولانا محمد سراج الحسن صاحبؒ (سابق امیر جماعت) بہت متاثر کن شخصیت کے مالک تھے۔ مولانا ابواللیثؒ کے آخری دور میں مرکز جماعت میں بحیثیت سکریٹری آپ کا تقرر کیا گیا۔ اس وقت حلقہ دہلی کی جانب سے مختلف مقامی جماعتوں میں ان کی نشستیں منعقد کرائی گئیں۔ ان مجالس میں مولاناؒ کو لانے لے جانے کی ذمہ داری میرے سپرد کی گئی۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ لال کنواں، دہلی میں ایک عوامی جلسہ میں مولاناؒ کا خطاب تھا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ مولانا نے کہا کہ میں دس منٹ کی نیند لے لوں، آپ جب تک سواری کا انتظام کرلیں۔ بارش زوروں پر تھی اور میری ہمت جواب دے رہی تھی۔ لیکن مولاناؒ نے کہا: ''سامعین انتظار کر رہے ہوں گے، اس لیے جانا تو ہوگا۔'' بالآخر ہم وہاں پہنچ گئے۔ مولاناؒ کا اندازہ صحیح نکلا۔ تقریباً ۵۰۰ سامعین ہماری راہ تک رہے تھے۔ مولاناؒ مرکز کے تمام کارکنان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ میں جب تک دعوت نگر (مرکز کمپاؤنڈ) میں رہا مولاناؒ نے میرا بھرپور خیال رکھا اور کسی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ بحیثیت امیر جماعت اسلامی ہند آپ کی سرپرستی اور شفقت ہمیشہ یاد رہے گی۔

سالک دھامپوری

(سابق سب ایڈیٹر کانتی ومعروف صحافی ومترجم)

مولانا سراج الحسن صاحبؒ کی خاص خوبی یہ تھی کہ جب کوئی رفیق ان سے ملتا تھا تو اس سے اتنی اپنائیت سے ملتے تھے کہ گہری شناسائی کا احساس ہوتا تھا۔ مرحوم کارکنانِ تحریک سے خاصی شفقت رکھتے تھے اور بڑی خلوص ومحبت سے پیش آتے تھے۔

اعزاز حسن

(عکس وآواز، نئی دہلی)

ادیانِ عالم میں روزے کا تصور

سالک دھامپوری، نئی دہلی

قرآن مجید میں روزے کا حکم نازل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ تم پر روزوں کا یہ فرض کیا جانا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہم نے تم سے پہلی امتوں پر بھی روزے اسی طرح فرض کئے تھے جیسے تم پر کئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ روزے کی یہ عبادت تقریباً دنیا کے تمام مذاہب میں پائی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی تردید ممکن نہیں۔

> ''روزے کی تعریف عموماً یہ کی جاتی ہے کہ مذہبی اور اخلاقی مقاصد کے حصول کے لئے خوش دلی سے جسم کو ایک مقررہ مدت کے لئے تمام قدرتی غذاؤں سے محروم رکھنا۔ روزے کے اس دستور کو دنیا کے تمام مذاہب میں بہت مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اگرچہ یہ حقیقت بھی ہے کہ مختلف مذاہب اور قوموں میں اس کے محرکات اور شکلیں مختلف رہی ہیں''۔

مذہبی معلومات کی لُغت کے تحت یہی بات ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

> ''کوئی آدمی مذہبی روزوں کو کتنی ہی کم اہمیت کیوں نہ دے۔ یہ بات صاف محسوس ہوتی ہے کہ اکثر قدیم اقوام نے بھی اس مذہبی دستور کو اپنایا ہے۔ مصریوں، فونیشیوں اور آشوریوں کے ہاں بھی ایسے ہی روزے پائے جاتے ہیں، جیسے یہودیوں کے ہاں پائے جاتے ہیں''۔

دنیا میں آج جتنے مذاہب بھی ہمیں نظر آتے ہیں، ان کے بارے میں یہ بات تو نہیں کہی جا سکتی کہ یہ سب کے سب الہامی ہیں۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ اسلام کے علاوہ ان میں سے دو اور مذاہب یعنی یہودیت اور نصرانیت کی ابتدا خدا کے سچے پیغمبروں سے ہوئی تھی۔ رہے باقی مذاہب تو ان کے مطالعے سے بھی یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حقیقت میں آسمانی ہدایت ہی کی بگڑی ہوئی شکلیں یا اس کی وہ بھونڈی نقالی ہیں،

جسے پیش کرنے والوں نے خدائی شریعت کے رنگ ڈھنگ میں پیش کیا ہے۔ بہر حال ان سب مذاہب میں جہاں اور بہت سی عبادات پائی جاتی ہیں وہاں روزہ بھی موجود ہے۔

ہندومت میں روزے کا تصور

ہندوستان میں پائے جانے والے قدیم مذہب ہندومت کو دیکھتے ہیں۔ ہندومت کا مختصر تعارف یہ ہے کہ یہ وہ مذہب ہے جو آریاؤں نے آج سے تقریباً پونے چار ہزار برس پہلے ہندوستان میں آکر اختیار کیا۔

ہندومت کی تعریف ہی یوں کی گئی ہے کہ یہ درحقیقت روزوں، دعوتوں اور تہواروں کا مذہب ہے۔ اس مذہب کے ایک نمائندے ٹی ایم پی مہادیون صدر شعبہ، فلسفہ مدراس یونیورسٹی ہندو مذہب اور ہندو سماج میں روزہ کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ان تہواروں میں جن کو سالانہ منایا جاتا ہے بعض تہوار روزہ (برت) کے لئے مخصوص ہیں، جو تزکیہ، نفس کے لئے رکھا جاتا ہے۔ ہر ہندو فرقے نے دعا وعبادت کے لئے کچھ دن مقرر کر لیے ہیں۔ جن میں اکثر افراد روزہ رکھتے ہیں۔ کھانے پینے سے باز رہتے ہیں۔ رات رات بھر جاگ کر اپنی مذہبی کتابوں کی تلاوت کرتے اور مراقبہ کرتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم اور مشہور تہوار جو مختلف فرقوں میں رائج ہے۔ وہ ایکادشی کا تہوار ہے''۔

ہندوؤں میں بعض روزے ایسے بھی ہیں جو برہمنوں کے ساتھ خاص ہیں۔ مثلاً ہر ہندی مہینے کی گیارہ بارہ تاریخ کو برہمنوں پر اکاوشی کا روزہ فرض ہے اس کے علاوہ بعض برہمن ہندی مہینے کا تک کے ہر پیر کو روزہ رکھتے ہیں۔ ہندو سنیاسیوں کا طریقہ ہے کہ وہ یاترا یعنی مقدس مقامات کی زیارت کے دوران میں بھی روزے رکھتے ہیں۔ ہندوؤں میں نئے اور پورے چاند کے دنوں میں بھی روزہ رکھنے کا رواج ہے۔ ویدوں کے حوالے سے ان روزوں کی ترغیب یوں دی گئی ہے کہ:

> ''صاحبِ خانہ اور اس کی بیوی کو نئے اور پورے چاند کے دنوں میں روزہ رکھنا چاہئے''۔ (رگ وید)

> ''پورے چاند کے دن جب کہ رات اور دن کے ملاپ کے وقت چاند طلوع ہوتا ہے تو آدمی کو چاہئے کہ وہ روزہ رکھے''۔
>
> (سیکریٹ بکس آف دی فاسٹ۔ ۲۵۔ ۳۰)

جین مذہب میں روزے کا تصور

جین دھرم میں سنیاسی حضرات بعض مقررہ قواعد کے تحت روزہ رکھتے اور مراقبوں کی بعض ایسی مشقیں کرتے ہیں جن کے نتیجے میں انسان پر بے خودی کی ایسی حالت طاری ہوجاتی ہے جس میں اس کا رابطہ اس دنیا سے کٹ جاتا ہے اور وہ کسی ماورائی حالت میں پہنچ جاتا ہے۔ اس ماورائی حالت میں پہنچ جانے ہی کو وہ روحانی منزلوں کا حصول قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کے لئے انہیں روزوں کی سخت مشقیں کرائی جاتی ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ ''سیرت النبیؐ'' میں جین دھرم میں روزوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ہندوستان کے تمام مذاہب میں جینی دھرم میں روزہ کی سخت شرائط ہیں۔ چالیس چالیس دن تک کا ان کے یہاں ایک روزہ ہوتا ہے۔ گجرات ودکن میں ہر سال جینی کئی کئی ہفتہ کا روزہ رکھتے ہیں''۔

جینیوں کے ہاں یہ رواج بھی ہے کہ ان کی لڑکیاں شادی سے پہلے روزہ رکھتی اور قوت اعلیٰ سے یہ درخواست کرتی ہیں کہ وہ اچھے شوہر کے انتخاب اور خوش گوار زندگی کے حصول میں ان کی مدد کرے۔

پارسی مذہب میں روزے کا تصور

پارسی مذہب کا مختصر تعارف یہ ہے کہ اس کے بانی زرتشت

تھے اس کی ابتدا چھٹی صدی قبل مسیح میں ایران میں ہوئی۔ جب مسلمانوں نے ایران فتح کرلیا تو اس کے بعد پارسی ہندوستان ہجرت کر گئے۔قدیم پارسی مذہب میں اگر چہ کبھی کبھار روزہ رکھا جاتا تھا،لیکن عام طور پر روزہ رکھنا پسند نہیں کیا جاتا۔ اس مذہب کے پیروؤں کا خیال ہے کہ روح کی ترقی کے لئے جسم کو روزے کی مشقتوں میں ڈالنا درست نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارا روزہ یہ ہے کہ ہم اپنی زبان ،آنکھوں، کانوں اور ہاتھوں سے کوئی گناہ نہ سرزد ہونے دیں۔ دوسرے مذاہب میں جو روزہ نہ کھانے پینے سے ہوتا ہے ہمارے ہاں وہ روزہ گناہ نہ کرنے سے ہوتا ہے۔مولانا سید سلیمان ندوی ''سیرت النبی'' میں پارسیوں کے ہاں روزے کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''پارسی مذہب میں گو عام پیروؤں پر روزہ فرض نہیں لیکن ان کی الہامی کتاب کی ایک آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ روزہ کا حکم ان کے ہاں موجود تھا۔ خصوصاً مذہبی پیشواؤں کے لئے تو پنج سالہ روزہ ضروری تھا''۔
>
> (ج ۵،ص ۲۴۲)

پارسیوں کے بارے میں ان معلومات سے پتا چلتا ہے کہ وہ ابتدا میں روزے سے نہ صرف واقف تھے بلکہ اسے ایک مذہبی عمل کے طور پر اپنائے ہوئے تھے لیکن بعد کے ادوار میں غالباً جب دوسرے مذاہب کے حوالے سے سخت روزوں کا تصور سامنے آیا تو اس کے خلاف ردعمل پیدا ہوا اور ان کے ہاں روزے مفقود ہو گئے۔

بدھ مت میں روزے کا تصور

بدھ مت کا مختصر تعارف یہ ہے کہ اس کے بانی مہاتما بدھ تھے۔اس مذہب کی ابتدا چھٹی صدی قبل مسیح کے لگ بھگ ہندوستان کے شمال مشرقی حصہ میں ہوئی۔ بدھ مت کے بھکشو (تارک الدنیا) بھی ہندوؤں اور جینیوں کی طرح کچھ خاص دنوں میں روزے رکھتے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ بدھ مت میں روزے کو ان تیرہ اعمال میں شمار کیا گیا ہے جو ان کے نزدیک خوش گوار زندگی اپنانے میں مدد دیتے ہیں۔ وہ روزے کو باطن کی پاکیزگی کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ بدھ مت میں جن دس چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے ایک ممنوعہ اوقات میں کھانا ہے۔ان کی تعلیم یہ ہے کہ بھکشوؤں کو ضرور کھانا چاہئے لیکن دن میں صرف ایک دفعہ،اس کے بعد وہ دن بھر کچھ نہ کھائیں۔ان روزوں کے علاوہ ان کے یہاں بھی ہندومت کی طرح نئے چاند اور پورے چاند کے دنوں میں روزہ رکھنا لازم ہے۔ مزید یہ کہ وہ ہر مہینے میں بھی چار روزے رکھتے ہیں اور روزے کی حالت میں گناہوں کا اعتراف کرتے اور توبہ کرتے ہیں۔ بدھ مت میں مذہبی پیشواؤں کو یہ ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ ہر مہینے کی چودہ پندرہ اور انتیس تیس کو جزوی روزہ رکھیں۔ لیکن مخلصین ان دنوں میں جزوی نہیں بلکہ مکمل روزہ رکھتے ہیں۔

تبت کے علاقے میں بدھا کے پیروؤں میں چار دن کا مسلسل روزہ رکھنے کی ایک تقریب منعقد کی جاتی ہے۔ پہلے دو دنوں میں روزے کی شرائط قدرے نرم ہوتی ہیں۔ یہ دن تیاری کے ہوتے ہیں ان میں روزہ دار بڑے اخلاص سے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے اور توبہ کرتے ہیں۔ ان دنوں میں عبادت کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے اور مذہبی کتابوں کا درس بھی ہوتا ہے۔ یہ اعمال رات گئے تک جاری رہتے ہیں۔ تیسرے دن روزہ سخت ہو جاتا ہے اور کسی کو تھوک نگلنے کی اجازت بھی نہیں ہوتی۔عبادت اور گناہوں کا اعتراف اس روز مکمل خاموشی کی حالت میں کیا جاتا ہے۔ چوتھے دن صبح سورج طلوع ہونے تک یہ روزہ جاری رہتا ہے۔

اس کے علاوہ بدھا کے یوم وفات سے متصل پہلے پانچ روزے رکھے جاتے ہیں۔ یہ روزے بدھ مت کے بھکشو رکھتے ہیں لیکن عوام بھی ان روزوں میں گوشت کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ بدھ مت میں روزے کی ترغیب کے ساتھ یہ تعلیم بھی دی جاتی ہے کہ روزہ اس شخص کو پاک نہیں کرسکتا جس نے اپنے نفس پر قابو نہ پایا ہو۔

چینی اقوام میں روزے کا تصور

چین میں کنفیوشزم کے پیروکار بھی ان دنوں میں روزے رکھتے ہیں جن میں آباؤ اجداد کی ارواح کی عبادت کی جاتی ہے۔ تاؤازم میں جسمانی روزوں کے بجائے روحانی روزوں کی اہمیت پر زور دیا جاتا ہے، اسے ان لوگوں نے دل کے روزے کا نام دے رکھا ہے۔ ان روزوں کے ذریعے وہ ایسی یکسوئی حاصل کرتے ہیں جس کے نتیجے میں آدمی اپنے بارے میں سب کچھ بھول جاتا ہے۔ جب آدمی اس کیفیت کو پالیتا ہے تو ان کے خیال میں وہ شخص خدائی پیغام وصول کرنے کے لئے بالکل تیار ہو جاتا ہے۔

دیگر علاقوں کے مذاہب میں روزے کا تصور

قدیم جاپانی تہذیب کو دیکھئے: وہاں بھی ہمیں روزے کا تصور ملتا ہے۔ جاپان میں وفات کے موقع پر یہ رواج تھا کہ عام لوگ جزوی روزہ رکھیں گے اور سبزیوں پر مشتمل ایک بہت ہی سستی غدا کھائی جائے گی۔ والدین اپنی اولاد کی وفات پر مسلسل پچاس دن یہی خوراک استعمال کرتے تھے۔ یعنی کھانے پینے کی عام چیزوں کے حوالے سے یہ پچاس دن پر پھیلے ہوئے جزوی روزے ہوتے تھے۔

جاپان کے قریبی ملک کوریا میں بھی یہ رواج ہے کہ مرنے والے کے رشتہ دار ایک دن کا روزہ رکھتے ہیں، لیکن اس کے بیٹے اور پوتے تین دن کے روزے رکھتے ہیں۔ قدیم ایران میں اگر چہ روزہ عام نہیں تھا لیکن موت کے بعد تین راتوں تک روزہ رکھا جاتا تھا۔ اس دوران میں تازہ گوشت پکایا اور کھایا نہیں جاتا تھا۔ روس کے انتہائی شمالی علاقے سائبیریا میں اسکیموز کے یہاں بھی روزہ ایک خاص عبادت کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو اسکیمو نوجوان 'Angekok' (ارواح سے تعلق قائم کرنے والا) بننا چاہتا ہے وہ دنیوی کاموں سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے اور اس وقت تک روزے رکھتا ہے جب تک اسے ارواح اپنے پاس آتی ہوئی دکھائی نہ دیں۔

برازیل (جنوبی امریکہ) میں وہ لوگ جو 'Paje' بننے کی خواہش رکھتے ہیں انہیں دو سال تک تنہائی میں رہ کر روزے رکھنے پڑتے ہیں۔ بعد ازاں انہیں 'Paje' مان لیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کے ہاں فنِ طب سیکھنے کے لئے بھی بہت سخت روزے رکھوائے جاتے ہیں جن روزوں کے نتیجے میں طالب علم کو بہت واضح خواب دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اس ریاضت کو وہ فن طب کا ایک ضروری حصہ سمجھتے ہیں۔ جو لوگ روحوں سے گفتگو کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں انہیں بھی ایک لمبے عرصے کے لئے سخت روزے رکھوائے جاتے ہیں۔

فیثا غورثی مکتبِ فکر میں روزہ، تقویٰ اور پرہیز گاری اختیار کرنے کی ایک شکل تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ روزہ وہ وجدانی کیفیت لاتا ہے جس میں روزہ دار پر حقائق منکشف ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ اس کے بعد ہی ممکن ہوگا کہ وہ خدائی قوتوں سے رابطہ کرے اور انکا قرب حاصل کرے۔ فیثا غورث کا اپنا طریقہ یہ تھا کہ وہ مسلسل چالیس روزے رکھا کرتا۔ غرض یونانیوں میں بھی دوسری اقوام کی طرح روزہ ایک اہم مذہبی عمل کی صورت میں پایا جاتا تھا۔

مصر میں گناہوں سے توبہ کرنے اور خدا کے عذاب سے بچنے کے لئے روزے رکھے جاتے تھے۔ توبہ کے ان روزوں کے لئے باقاعدہ دن مقرر کیے گئے تھے۔ ان روزوں کے دوران ہر طرح کی آسائش ممنوع تھی اور خواہشات کو پورا کرنے والی چیزوں کا استعمال بھی ناجائز تھا۔ مصریوں کے ہاں وفات پر بھی روزے رکھنے کا رواج پایا جاتا تھا۔ چنانچہ بادشاہوں کی وفات پر عوام روزہ رکھا کرتے تھے۔

امریکن انڈین جنہیں امریکہ کے قدیم اور اصل باشندے سمجھا جاتا ہے ان کے یہاں بھی روزہ کا تصور ملتا ہے۔

ان قبائل میں یہ عقیدہ رائج تھا کہ روحِ اکبر (Great Spirit) سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے روزہ بہت موثر ذریعہ ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے کسی بہادر آدمی کو روزہ رکھوا کر اجاڑ بیابان میں تنہا بھیج دیا جاتا، وہ وہیں رہتا حتیٰ کہ خواب یا کشف میں اس پر آسمانی حکمت کا نزول ہوتا اور محافظ روح (Guardian

Spirit) کی جانب سے اسے اس کے مستقبل کے بارے میں ضروری رہنمائی مل جاتی۔ چنانچہ جب 'Lokata' قبیلے کے لوگوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کے سامنے خدا سے ملاقات کے لئے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ لوگ روزے کی حالت میں خدا کا مسلسل ذکر کرتے ہوئے بیابانوں میں پھریں اس طرح سے آپ اپنا مقصود پالیں گے۔

کولمبیا کے انڈین قبائل کو جب خدا کی مدد درکار ہوتی تو وہ کئی روز تک روزے کی حالت میں رہ کر خدا سے معافی مانگتے اور مدد کی درخواست کرتے۔ برٹش کولمبیا (شمالی امریکہ) میں یہ رواج ہے کہ لوگ جنازے کے موقع پر ہونے والے کھانے کے بعد چار دن کے لئے روزے رکھتے ہیں۔میکسکو کے باشندوں میں بھی توبہ کرنے اور قلب (باطن) کو پاک کرنے کے لئے روزے رکھے جاتے تھے۔ مختلف مواقع پر ان کی مدت مختلف ہوتی۔یعنی ایک دن کا روزہ بھی ہوتا اور کئی کئی دنوں کے روزے بھی ہوتے تھے۔ یہ روزے قبیلے کا کبھی کوئی ایک فرد رکھتا اور کبھی پورا قبیلہ روزہ رکھتا تھا۔قوم پر نازل ہونے والی آفات سے بچنے کے لئے بڑا مذہبی پیشوا روزہ رکھ کر تنہائی میں لیٹ جاتا، کئی دیگر سختیاں، جھیلتا اور خدا سے دعائیں کرتا رہتا۔

نیوگنی کے قبائل میں جزوی روزے رکھنے کے لئے کھانے کی متعدد اشیا سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ ان کے ہاں روزے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ آدمی اپنی پسند کی چیزیں کچھ عرصہ کے لئے ترک کر دیتا ہے۔ رورو (Roro) زبان بولنے والے قبائل میں 'SechusionPeriod' کے اختتام پر ایک دن کا روزہ رکھنے کا طریقہ عام رائج ہے۔جنوبی ماسم میں بیوہ ان سب کھانوں سے اجتناب کرتی ہے جو اس کے خاوند نے مرض الموت میں کھائے تھے۔ فیجی (Fiji) میں دس سے بیس دن کے روزے رکھے جاتے ہیں۔ان کے یہاں عقاب ایک مقدس پرندہ مانا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کا شکار کرنے سے قبل شکاری ایک طویل عرصے تک روزے رکھتا اور دعائیں کرتا ہے۔'Teligintis' قبیلے کے لوگ دوسرے جنم پر یقین رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کے یہاں یہ رواج ہے کہ بعض اموات پر لڑکیاں اس لئے روزے رکھتی ہیں کہ یہ روح دوبارہ ان کے ذریعے جنم لے۔ بابل اور نینوا کی تہذیب قدیم تہذیبوں میں سے تھی۔ یہاں آشوری قوم آباد تھی۔ ان کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کی بعثت ہوئی تھی۔آشوریوں کے ہاں بھی ہمیں روزے کا رواج ملتا ہے۔

یہودی مذہب میں روزے کا تصور

ابراہیم علیہ السلام کی جونسل ان کے پوتے یعقوب علیہ السلام سے آگے چلی وہ بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ بنی اسرائیل میں آج سے تقریباً ساڑھے تین ہزار سال پہلے موسیٰ علیہ السلام کی بعث ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے بنی اسرائیل کو اپنی شریعت سے نوازا۔ موسیٰ علیہ السلام خدا سے ملاقات کے لئے کوہ طور پر گئے تو وہاں انہوں نے چالیس دن کا روزہ رکھا تھا۔تورات میں موسیٰ علیہ السلام کے اس روزے کا ذکر اس طرح سے آیا ہے:

> ''اور موسیٰ خداوند کے پاس چالیس دن اور چالیس رات رہا۔ نہ روٹی کھائی اور نہ پانی پیا۔ اور اس نے عہد کا کلام ، دس احکام دو لوحوں پر لکھے''۔
> (خروج باب ۲۴، آیت ۲۸)

تورات میں یہودیوں پر عاشورے کے روزے کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

> ''یہ تمہارے لئے ابدی فرض ہوگا کہ ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو تم میں سے ہر ایک ،کیا دیسی کیا پردیسی، نفس کشی کرے (روزہ رکھے) اور کوئی کام نہ کرے۔ کیونکہ اس روزہ تمہاری پاکیزگی کے لئے تمہارے واسطے کفارہ دیا جائے گا۔ تب تم اپنے سارے گناہوں سے خدواند کے آگے پاک ہوجاؤ

گے۔ یہ تمہارے لئے تعطیل کا سبت ہوگا۔ اس دن تم نفس کشی کرو۔ (روزہ رکھنا) یہ ابدی فرض ہوگا''۔

(الاحبار باب ۱۶: آیت ۲۹۔۳۱)

یہودیوں پر موسوی شریعت میں فرض روزہ صرف ایک ہی تھا۔ یعنی کفارے کا روزہ، جس کا اوپر ذکر آ گیا ہے۔ لیکن بنی اسرائیل میں پے درپے اللہ کے نبی آتے رہے ہیں انہوں نے کئی روزے خود بھی رکھے اور عوام کو بھی ان کی ترغیب دی۔ چنانچہ یہودیوں کے یہاں یوم کفار کے روزے کے علاوہ، ہم بہت سے دوسرے روزے بھی دیکھتے ہیں۔ مثلاً زکریا علیہ السلام یوں فرماتے ہیں:

''اور میں نے رب الافواج کا کلمہ پایا۔ اس نے کہا کہ رب الافواج یوں فرماتا ہے۔ چوتھے مہینے کا روزہ اور پانچویں کا روزہ اور ساتویں کا روزہ اور دسویں کا روزہ یہودہ کے گھرانے کے لئے خوشی اور خرمی کا موقع اور شادمانی کی عید ہوگا۔ تم فقط سچائی اور سلامتی کو عزیز جانو۔''

(زکریا باب ۸، آیت ۱۸۔۱۹)

اس کے علاوہ یہود میں اپنے بڑے لوگوں کے یوم وفات پر روزہ رکھنے کا رواج بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً آذار کے مہینے کی سات تاریخ کو موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوا۔ یہودی اس دن روزہ رکھتے ہیں۔

عیسائی مذہب میں روزے کا تصور

جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر چالیس دن کا روزہ رکھا تھا۔ متی کی انجیل بتاتی ہے کہ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام نے بھی چالیس دن رات کا روزہ رکھا تھا۔

متی میں لکھا ہے:

''اور جب وہ چالیس دن اور چالیس رات روزہ رکھ چکا، آخر کار بھوکا ہوا''۔ (متی باب ۴ آیت ۲)

عیسیٰ علیہ السلام نے روزے کے بارے میں اپنے حواریوں کو یہ ہدایت دی ہے:

''اور جب تم روزہ رکھو تو ریاکاروں کی مانند اپنا چہرہ اداس نہ بناؤ کیونکہ وہ منہ بگاڑتے ہیں تاکہ لوگ انہیں روزہ دار جانیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے۔ لیکن جب تو روزہ رکھے۔ سر پر تیل لگا اور منہ دھو۔ تاکہ آدمی نہیں بلکہ تیرا باپ جو پوشیدگی میں ہے تجھے روزہ دار جانے اور تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا''

(متی باب ۶، آیت ۱۶۔۱۸)

ایک موقع پر جب حواری ایک بدروح نہ نکال سکے تو انہوں نے پوچھا:

''اس کے شاگردوں نے پوشیدگی میں اس سے پوچھا کہ ہم اسے کیوں نہ نکال سکے۔ اس نے ان سے کہا کہ یہ جنس سوائے دعا اور روزہ کے کسی طرح سے نہیں نکل سکتی''۔

(مرقس، باب ۹، آیت ۲۷۔۲۸)

عیسیٰ علیہ السلام پر اعتراض کیا گیا کہ تمہارے شاگرد روزہ کیوں نہیں رکھتے تو اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا:

''اور یوحنا کے شاگرد اور فریسی روزے سے تھے۔ انہوں نے آکر اس سے کہا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ یوحنا کے شاگرد اور فریسیوں کے شاگرد تو روزہ رکھتے ہیں لیکن تیرے شاگرد روزہ نہیں رکھتے۔ یسوع نے ان سے کہا کہ براتی جب تک کہ دولہا ان کے ساتھ ہے روزہ رکھ سکتے ہیں۔ جب تک کہ وہ دولہا کے ساتھ ہیں، وہ روزہ نہیں رکھ سکتے۔ لیکن وہ دن آئیں گے جب دولہا ان سے جدا کیا جائے گا۔ اس وقت وہ روزہ رکھیں گے۔''

(مرقس باب ۲، آیت ۱۸۔۲۰)

روزے کے حوالے سے یہ وہ تعلیم تھی جو عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں نے ابتدا میں پائی۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائیت میں روزے کو جو اہمیت ملی ہے وہ شاید کسی بھی دوسری قوم میں نہیں ملی۔ پہلی اور دوسری صدی میں عیسائیوں کے ہاں روزے کا شمار ان متعدد رسوم میں عملاً ہونے لگا تھا جن کا مقصد تقویٰ اور پرہیز گاری کا حصول تھا۔

عیسائیت کے بعض گروہوں میں روزہ مقصدِ حیات تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہونے کے بجائے خود مقصدِ حیات بنا دیا گیا تھا۔ اس روش کو اعتدال پر لانے کے لئے بیشتر راہبانہ کتابوں میں راہبوں کو ضرورت سے زیادہ روزے رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔

آج کل عیسائیوں کے مختلف فرقے روزے کے بارے میں مختلف نقطۂ نظر کے حامل ہیں اور اس پر عمل کا طریقہ بھی ان کے ہاں مختلف ہے۔ پروٹسٹنٹ فرقے میں سوائے ان ایک دو گروہوں کے جن کا رجحان عمل سے زیادہ ایمان کی طرف ہے۔ روزے کو انسان کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ رومن کیتھولک اور آرتھوڈاکس تحریک کے گرجوں میں اگرچہ انفرادی اور اجتماعی مذہبی رسوم کے ضمن میں روزے پر بہت زور دیا گیا ہے لیکن عملی طور پر روزے کی سخت رسوم کو خیر باد کہہ دیا گیا۔ رومن کیتھولک کے ہاں "Good Friday" اور "Ash Wednesday" کے موقعوں پر جزوی روزے رکھنے کا رجحان اب بھی پایا جاتا ہے۔

بدھ اور جمعہ کے ان روزوں کا پس منظر یہ ہے کہ عیسائی روایات کے مطابق بدھ کے دن صبح عیسی علیہ السلام کو گرفتار کیا گیا تھا اور جمعہ کے دن سولی پر لٹکایا گیا تھا۔

عربوں کے دورِ میں روزے کا تصور

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عربوں کے یہاں بھی روزے کا واضح تصور ملتا ہے۔

''المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام'' میں ''صوم'' کے تحت درج ہے:

''عربوں سے متعلق روایات میں یہ ہے کہ قریش یوم عاشورہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ اس دن وہ جمع ہوتے عید مناتے اور کعبہ کو غلاف پہناتے تھے۔ اس روزے کی توجیہ انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ قریش اپنے دورِ جاہلیت میں کوئی بڑا گناہ کر بیٹھے تھے۔ اس گناہ کا انہوں نے بڑا بوجھ محسوس کیا تو انہوں نے اس گناہ کا کفارہ دینے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لئے یوم عاشورہ کا روزہ مقرر کیا۔ وہ اس دن یہ روزہ اس بات پر شکرانے کے طور پر بھی رکھتے تھے کہ خدا نے اپنے لئے یوم عاشورہ کا روزہ مقرر کیا۔ وہ اس دن یہ روزہ اس بات پر شکرانے کے طور پر رکھتے تھے کہ خدا نے ان کو اس گناہ کے نتائج بد سے بچا لیا۔ یہ بات بھی روایت کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبوت سے پہلے یہ روزہ رکھا کرتے تھے''۔

ایک دوسری روایت میں اس روزے کی توجیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ قریش کو ایک زمانے میں قحط نے آ لیا پھر اللہ نے اس قحط سے انہیں نکال لیا تو انہوں نے خدا کا شکر ادا کرنے کے لئے روزہ رکھنا شروع کیا۔

عربوں میں روزے کے رواج ہی سے متعلق ایک واقعہ یہ روایت کیا گیا ہے:

''دورِ اسلام میں ابوبکرؓ احمس قبیلہ کی ایک عورت زینب کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ بات چیت نہیں کر رہی ہے تو آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ اس کو کیا ہوا ہے، یہ بات کیوں نہیں کرتی، تو لوگوں نے بتایا کہ اس نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ تو آپ نے اس سے کہا کہ گفتگو کر کیونکہ یہ جائز نہیں یہ تو دورِ جاہلیت کا عمل ہے تو اس نے بات چیت شروع کر دی''۔

(ص ۳۲۸-۳۲۹)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ عرب بھی روزے سے مانوس تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل وہ روزے رکھا کرتے تھے۔

اس تفصیلی مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مذہبی بنیادوں پر کھانے پینے سے اجتناب ایک ایسا آفاقی عمل ہے جس سے مشرق ومغرب کی ساری تہذیبیں اور سارے مذہب متعارف رہے ہیں۔کسی کے یہاں یہ جزوی شکل میں ہے اور کسی کے ہاں مکمل شکل میں۔کوئی اس میں حداعتدال سے بڑھا ہوا ہے اور اس نے عام آدمی کے لئے اسے ناممکن بنادیا ہے اور کسی نے اسے بہت آسان بنا رکھا ہے۔بہر حال سبھی لوگ اس مذہبی عمل سے متعارف ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اس مادی دنیا میں کیا ہوا یہ عمل اپنے کچھ خاص غیر مادی اثرات رکھتا ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ساری دنیا اس پر کیسے متفق ہوگئی کہ یہ بھوکا پیاسا رہنا ایک مذہبی عمل قرار پا جائے۔اس سوال کا جواب ہمیں مختلف منکرین کے یہاں مختلف ملتا ہے۔

"Jewish Encyclopedia" میں روزہ اور روزہ کے ایام‘‘ کے تحت مضمون نگار لکھتا ہے کہ روزے کی ابتدا کے بارے میں متضاد آرا پائی جاتی ہیں۔مثلاً 'Herbert Spencer' اس رائے کا اظہار کرتا ہے کہ روزے کا آغاز مردوں کو کھانے پینے کی چیزیں فراہم کرنے کی رسم سے پیدا ہوا ہے۔'W.R. Smith' کا خیال ہے کہ یہ قربانی کا کھانا کھانے کی تیاری ہے۔'Smed' کہتا ہے کہ یہ خدا کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے اس کے سامنے عاجز وخاکسار بن کر پیش ہونے کی ایک مذہبی رسم ہے۔کچھ دوسرے مفکرین کے خیال میں اس کا آغاز اس خواہش کے تحت ہوا کہ انسان روحانی دنیا کے ساتھ رابطہ پیدا کرے۔

لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون‘‘

(۲-۱۸۳)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیئے گئے، جس طرح سے تم سے پہلے انبیا کے پیرووں پر فرض کئے گئے تھے، امید ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی‘‘۔

(سورۃ بقرہ۔۱۸۳)

اسلام میں اکثر احکام کی طرح روزے کی فرضیت بھی بتدریج عائد کی گئی ہے۔نبی کریمؐ نے ابتدا میں مسلمانوں کو صرف ہر مہینے تین دن کے روزے رکھنے کی ہدایت کی تھی مگر یہ روزے فرض نہ تھے۔پھر ۲ ہجری میں رمضان کے روزوں کا حکم نازل ہوا، مگر اس میں اتنی رعایت رکھی گئی کہ جو لوگ روزے کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور پھر بھی روزہ نہ رکھیں وہ ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔بعد میں دوسرا حکم نازل ہوا اور یہ عام روایت منسوخ کردی گئی لیکن مریض، مسافر، حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت اور عمر دراز لوگوں کے لئے، جن میں روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو، اس رعایت کو بدستور باقی رہنے دیا گیا اور انھیں حکم دیا گیا کہ بعد میں عذر باقی نہ رہے تو قضا کے اتنے روزے رکھ لیں، جتنے رمضان میں ان سے چھوٹ گئے ہیں۔

روزوں کا مقصد صرف اسلام نے صحیح طور پر واضح کیا، ورنہ دیگر مذاہب اور شریعتوں میں اس کے مختلف مقاصد بتائے گئے ہیں، لیکن اسلام میں نہ چلہ کشی، نہ اپنے جسم کو اذیت دینا ہے نہ رہبانیت کی شکل ہے بلکہ اسلام میں روزہ کا مقصد صرف تقویٰ حاصل کرنا اور اپنے نفس کی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ اپنے جیسے لوگوں کی بھوک و پیاس کا احساس کرنا ہے۔

رشد

روزہ

شخصیت کے ہمہ جہتی ارتقاء کا مؤثر ذریعہ

گلزار صحرائی، نئی دہلی

تربیت انسانی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ بھی اس سے خالی نہیں۔ دشمن سے لڑنے کے لیے حکومتیں فوجیوں کی عسکری تربیت کا نظم کرتی ہیں، تو دوسری طرف اپنی فرم اور کمپنی کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لیے کاروباری ادارے وقتاً فوقتاً اپنے ملازمین و کارکنان کی مناسب ٹریننگ کا نظم کرتے ہیں۔ اس کے لیے اگر اپنے ملک میں مناسب انتظام نہ ہو تو بیرون ملک بھی بھیجنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اسی طرح تدریسی صلاحیت کو بہتر بنانے کے لیے اساتذہ کی تربیت کا نظم کیا جاتا ہے۔ غرض ہر شعبۂ زندگی میں تربیت کی افادیت تسلیم شدہ ہے۔

مذاہب کا مطالعہ کیا جائے تو وہاں بھی شخصی ارتقاء کے لیے تربیت کا نظم پایا جاتا ہے۔ کچھ مذاہب اس کے لیے انسان کو خود پر بہت زیادہ سختی کرنے کی تعلیم دیتے ہیں اور اس کے لیے حد سے گزرتے ہوئے غیر فطری طریقے اختیار کرتے ہیں، مثلاً کئی کئی دنوں تک کسی درخت پر الٹے لٹکے رہنا، کئی کئی دنوں تک بھوکے پیاسے رہنا، سماجی زندگی سے دور جنگلوں میں رہنا، نفسانی خواہشات کو پوری طرح نظر انداز کرتے ہوئے تا زندگی مجرد رہنا وغیرہ۔ یہ غیر فطری طریقے انسانی شخصیت کے ارتقاء میں معاون ثابت ہوتے ہیں، یا پھر فطرت سے بغاوت کے نتیجے میں اسے چور دروازوں سے اپنی فطری ضرورتوں کو پورا کرنے پر مجبور کرتے ہیں، اس پر تبصرہ کیے بغیر ہم یہاں یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ اس سلسلے میں اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے اور اس نے انسانی شخصیت کے ارتقاء کے لیے کس طرح کی تربیت کا نظم کیا ہے۔

یوں تو اسلام کی تمام ہی عبادات انسانی شخصیت کی تربیت میں کسی نہ کسی طرح معاون ثابت ہوتی ہیں۔ مثلاً باجماعت نماز ہمیں ایک طرف مساوات کا درس دیتی ہے، تو دوسری طرف باہمی ربط وضبط کا۔ حج اس اجتماعیت کی وسیع شکل ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کے ذریعے ہمیں غریبوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرنے کا درس ملتا ہے۔ لیکن روزہ ان سب سے بڑھ کر کردار سازی میں اہم رول ادا کرتا ہے۔

روزہ تزکیۂ نفس کا اہم ذریعہ

اسلام نے انسان کو زندگی کے تمام معاملات میں کچھ حدود وقیود کا پابند بنایا ہے۔ جس کے تحت بعض امور انسان کے لیے حلال اور جائز ہیں اور بعض ناجائز اور حرام۔ ایک مسلمان کو ہر پل ان حدود کا خیال رکھنا ہوتا ہے، جن میں کبھی کبھی اس سے لغزشیں بھی سرزد ہو جاتی ہیں اور بعض اوقات نفسانیت سے مغلوب ہو کر یا شیطانی ترغیبات سے متاثر ہو کر وہ ان حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔ روزہ انسان کی ضبط نفس کی اسی قوت کو بڑھاتا ہے۔

اس کے لیے انسان کو ہدایت دی گئی کہ وہ ایک مقررہ وقت تک کے لیے ان جائز امور سے بھی خود کو روکے رکھے، جو عام حالات میں اس کے لیے جائز ہیں۔ مثلاً خورد ونوش کی پاک اور حلال اشیاء کا استعمال اور تعلق زن وشو۔ یہ اضافی پابندیاں انسان کو ان حدود میں رہنے کی مشق کراتی ہیں، جن کا ہر حال میں اسے پابند بنایا گیا ہے۔

اس میں بھی انسانی نفسیات کی رعایت کی گئی اور اضافی پابندیوں کی مدت بس اتنی ہی رکھی گئی جنھیں انسان بہ آسانی برداشت کر سکے۔ اس کے بجائے اگر یہ مدت طلوع فجر تا غروب آفتاب سے بڑھا کر کچھ اور کر دی جاتی (جیسا کہ بعض مذاہب میں سادھو سنت وغیرہ کئی قسم کی سخت ریاضتیں کرتے ہیں، مثلاً کئی کئی دن بھوکے پیاسے رہنا وغیرہ) تو یہ انسان کے لیے ایک بار گراں ہو جاتا، اور پھر وہ ان سے آزاد ہونے کے لیے بہانے تلاش کرتا۔ اس طرح تربیت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا اور انسان کی اصلاح ہونے کے بجائے بگاڑ کو فروغ ملتا۔ اس لیے اسلام نے نہ صرف اس کی مدت قابل برداشت رکھی، بلکہ اس کی بھی تاکید کی گئی کہ سحری میں تاخیر اور افطار میں جلدی کرو۔ اس کے پسِ پشت دو حکمتیں کارفرما ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس مدت کے معاملے میں بھی لوگ غلو نہ کرنے لگیں، مثلاً اپنے زہد کا زیادہ اظہار کرنے کے لیے سحری وقت سے بہت پہلے کھالیں اور افطار کا وقت ہونے پر بھی محض اپنی قوت برداشت کی نمائش کے لیے، افطار سے رکے رہیں۔ اس لیے سحری میں تاخیر اور افطار میں جلدی کو افضل قرار دے کر یہ سبق دیا گیا کہ اصل مقصد حکم الٰہی کی تعمیل ہے، یعنی جب کہا جائے کہ رک جاؤ، تو رک جاؤ اور جیسے ہی پابندی کا وقت ختم ہو تو اللہ کی دی ہوئی اجازت کا شکر ادا کرتے ہوئے، کھانا پینا شروع کر دو۔ یعنی ضبط نفس کی یہ مشق پوری طرح اللہ کے حکم کے تابع ہو، اپنی مرضی سے کی گئی نفس کشی خدا کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی۔

انسان کو نظم وضبط اور ڈسپلن کا پابند بنانے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی تدبیر نہیں ہو سکتی۔ ڈسپلن کی اس اسلامی تدبیر اور دنیاوی تدابیر میں ایک بنیادی فرق ہے۔ مثلاً فوجی ٹریننگ میں انسان اپنے کمانڈر سے آنکھ بچا کر کوئی ڈسپلن شکنی کر سکتا ہے، لیکن یہاں کمانڈ دینے والی وہ ہستی ہے، جو انسان سے ہر حال میں نہ صرف واقف ہے، بلکہ اس کے دل میں پوشیدہ ارادوں تک سے باخبر ہے۔ یہ احساس دنیا کے کسی بڑے سے بڑے ٹرینر کے لیے اس کے زیر تربیت افراد کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ روزہ مومن کے دل میں اسی احساس کو تازہ کرتا ہے کہ اس کا مالک اسے ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پوری قدرت رکھنے کے باوجود روزہ دار تنہائی میں بھی کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو روزے کی حالت میں ممنوع قرار دیا گیا ہو۔ شخصی تربیت کی اس سے بڑھ کر مثال کسی اور طریق تربیت میں نہیں مل سکتی۔

روحانی ارتقاء کا ذریعہ

قرآن میں روزوں کی فرضیت کے تذکرے میں، اس کا مقصد بتاتے ہوئے کہا گیا ہے ''**لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ**'' (تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو)۔

> يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝
> (البقرۃ:183)
>
> ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم پر روزے فرض کر دیے گئے جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روزے کا اصل مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ تقویٰ کا ترجمہ اردو میں عموماً ڈر کیا جاتا ہے، لیکن محض لفظ ڈر سے اس کا پورا مفہوم ادا نہیں ہوتا۔ تقویٰ دراصل انسان کے دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو اسے ہر وقت استحضار خدا سے سرشار رکھتی ہے، اور جس کے زیر اثر وہ ہر اس کام سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہو اور ہر وہ کام کرنا پسند کرتا ہے جس سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہو۔

غور کرنے کی بات ہے کہ روزے کی حالت میں انسان کو خصوصی طور سے جن دو شہوتوں سے روکا گیا ہے ان میں سے ایک

پیٹ کی بھوک ہے اور دوسری جنسی جذبے کی تسکین۔ دیکھا جائے تو تمام جرائم کی جڑ میں ان ہی دو شہوتوں کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ دوسری ساری شہوتیں ان دونوں کے مضمرات میں سے ہی ہیں۔ دورانِ روزہ ان دونوں شہوتوں پر قابو رکھنے کی تربیت انسان کو بہت سی ان برائیوں سے روک دیتی ہے، جن کا ظہور ہم معاشرے میں آئے دن دیکھتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری اخلاقی برائیوں، مثلاً جھوٹ ،غیبت ، بہتان تراشی وغیرہ، جو ویسے بھی اسلام میں ممنوع ہیں، ان سے دورانِ روزہ خاص طور پر روک دیا گیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس شخص نے (روزہ کی حالت میں) جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو اس کی کچھ ضرورت نہیں کہ وہ (روزہ رکھ کر) اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔'' (بخاری)

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ دیگر تربیتی نظاموں میں اخلاقی تربیت کا فقدان پایا جاتا ہے، خصوصاً فوجیوں کی ٹریننگ میں۔ ایک طرف تو ان کو سخت جفاکش اور خطروں سے نبرد آزما ہونے کی مشق کرائی جاتی ہے، ان کے اندر حب الوطنی اور دیش کے لیے قربانی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا جاتا ہے، لیکن دوسری طرف اخلاقی اصولوں کی پابندی کی تربیت نہ ہونے ، نیز کسی خدا کے دیکھ لینے کا تصور نہ ہونے کے سبب ان کی اخلاقی پستی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ذرا سا موقع ملتے ہی وہ انسانیت کی سطح سے گر کر جانور بن جاتے ہیں اور پھر بہیمت کے وہ مناظر پیش کرتے ہیں کہ شیطان بھی شرما جائے۔

جبکہ روزے کے ذریعے ملنے والی تربیت نہ صرف انسان کو اخلاقی حدود کا پابند بناتی ہے، بلکہ خدا کے ہمہ وقت شاہد ہونے کے احساس کو بھی تازہ رکھتی ہے جس سے انسان کے اندر نفسِ امارہ سے لڑنے کی زبردست قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

روزے کے جسمانی فوائد

جسم کو فٹ رکھنا بھی شخصیت کا ایک حصہ ہے، اسے شخصیت کی ظاہری شکل کہا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے یوں تو بہت سے طریقے آزمائے جاتے ہیں، جن میں ورزش سے لے کر ڈائٹنگ تک شامل ہے، مگر سچ بات تو یہ ہے کہ نظام ہضم کا درست رہنا اس میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ روزہ اس میں بھی ایک اہم رول ادا کرتا ہے۔ یہ نہ صرف تقویٰ اور روحانی ارتقاء کا ذریعہ ہے، بلکہ طبی اعتبار سے یہ جسم کے نظام ہضم کو درست رکھنے کا بھی ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ ٹوکیو کی یونیورسٹی آف ٹیکنالوجی کے پروفیسر یوشی نوری کے مطابق ''جب انسان زیادہ دیر تک بھوکا رہتا یا فاقہ (Fasting) کرتا ہے، تو جسم کے خلیوں میں پُراسرار تبدیلیاں رُونما ہونے لگتی ہیں۔ جب ان خلیوں کو باہر سے کوئی خوراک نہیں ملتی، تو وہ خود ہی ایسے خلیوں کو کھانا شروع کر دیتے ہیں، جو گلے سڑے، خراب اور جسم کے لیے خطرے کا باعث ہوں۔ اسے عام فہم زبان میں (self-eating) کہتے ہیں اور سائنسی اصطلاح میں یہ عمل Autophagy کہلاتا ہے۔'' اس جاپانی سائنس داں کے مطابق، ''اگر انسان سال میں ایک مرتبہ 20 سے 27 دن تک 12 سے 16 گھنٹے بھوکا رہے، تو کینسر کا موجب بننے والے، گلے سڑے اور ناکارہ خلیے خود بہ خود ختم ہونے لگتے ہیں۔ اس طرح صحت مند انسانوں میں کینسر کے امکانات، جب کہ کینسر کے مریضوں میں مرض کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔''

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ روزہ ایک طرف انسان کو ضبطِ نفس کی تربیت دیتا ہے، جس سے اس کے اندر سفلی خواہشات سے لڑنے کی قوت پیدا ہوتی ہے، اور وہ اللہ کی قائم کی ہوئی حدود میں رہنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک خاص وقت تک بھوکا پیاسا رہنے سے جہاں اس کا نظام ہضم درست ہوتا ہے، اور مشکل وقت میں بھوک اور پیاس برداشت کرنے کی اسے مشق ہو جاتی ہے، دوسری طرف بھوک پیاس کا یہ احساس اس کے دل میں غریبوں اور حاجتمندوں کے لیے ہمدردی کے جذبات پیدا کرتا ہے، جو انسانیت کا درد رکھنے والے ہر انسان کے لیے ضروری ہے۔

صحت اور فرصت کے ساتھ رمضان

ڈاکٹر عدنان الحق خاں، ناگپور

صحت اور فرصت اللہ تعالیٰ کی دو بڑی نعمتیں ہیں۔ اسی لئے آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''صحت کو غنیمت جانو بیماری سے پہلے اور فرصت کو غنیمت جانو مصروفیات سے پہلے۔'' (الحدیث) موجودہ وقت میں جبکہ پوری دنیا میں انسانوں کی ایک بڑی تعداد کورونا وائرس کی زد میں ہے۔ لاکھوں لوگ بیماری میں مبتلا ہیں اور کئی افراد جاں بحق ہو گئے ہیں۔ اور یہ تعداد دن بہ دن بڑھتی ہی جارہی ہے۔ اگر آپ اپنے گھر میں صحت مند ہیں اور حکومت کی جانب سے جاری لاک ڈاؤن کی پابندی بھی کر رہے ہیں تو آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی دو بڑی نعمتیں جمع ہوگئی ہیں — صحت اور فرصت — اس پر سونے پہ سہاگہ کہ نیکیوں کا موسم بہار رمضان المبارک ہم پر سایہ فگن ہوگیا ہے۔ ان تینوں نعمتوں کا استعمال کرتے ہوئے ہم جنت کی طرف اپنی پیش قدمی تیز تر کر سکتے ہیں۔

> موسم اچھا پانی وافر مٹی بھی زرخیز
> جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان

دوسری اہم بات یہ ہے کہ موجودہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹنے اور اس سے معافی تلافی کرنے کا ہے۔ زیر نظر مضمون میں لاک ڈاؤن میں رمضان کو گزارنے کے لیے کچھ مشورے بیان کیے جائیں گے۔

(ا) قرآن سے استفادہ:

رمضان المبارک جشنِ نزول قرآن کا مہینہ ہے۔ اس لیے اس رمضان فرصت کے اوقات کا بہترین استعمال قرآن مجید سے بھر پور استفادہ کرنا ہوسکتا ہے۔ قرآن سے استفادہ کی مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں۔ جیسے تصحیح تلاوت، قرآن کو تجوید اور مخارج کے ساتھ سیکھنا، قرآن مجید مع ترجمہ سے مکمل کرنا، قرآن کی تفاسیر کا مطالعہ، قرآن کی عربی سیکھنا، قرآن مجید پر غور وفکر اور تدبر کرنا۔ قرآن سے استفادہ کے لیے انٹرنیٹ اور موبائل جیسے ذرائع کا بھرپور استعمال کیا جاسکتا ہے۔ تجوید اور مخارج سیکھنے کے لیے Understand Al-Quran Academy کے عبدالعزیز عبدالرحیم صاحب کی ویڈیو سیریز اور آن لائن کورسیس کا اہتمام کیا جاسکتا ہے۔ قرآنی عربی سیکھنے کے لیے نعمان علی خان اور لسان القرآن ادارہ کے سہیل امیر شیخ کے ویڈیوز کافی مفید ثابت ہوسکتے ہیں، جو یوٹیوب پر دستیاب ہیں۔ Play store پر تمام اہم تفاسیر کے ایپس دستیاب ہیں۔ Islam 360

ایک بہترین Application ہے، جس میں قرآن وحدیث پر مبنی مواد دستیاب ہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ ان جدید ذرائع و وسائل کے استعمال کے ذریعے قرآن سے تعلق مضبوط کر سکتے ہیں۔

(۲) نماز باجماعت:

چونکہ دنیا بھر کی مساجد مقفل ہیں۔ اس رمضان اپنے گھروں کو مساجد بنائیں اور پنج وقتہ نماز باجماعت اپنے اہل خانہ اور بچوں کے ساتھ ادا کریں۔ گھر میں ہی تراویح کا نظم کریں۔ تراویح چاہے آٹھ ہو یا بیس، وہ شخص پڑھائے جسے زیادہ قرآن یاد ہو۔ پانچ وقت کی نمازوں کی جماعت کے اوقات طے کرلیں اور سبھی کو ہدایت ہو کہ وقت مقرر پر طے شدہ جگہ باوضو جمع ہوجائیں۔ اس سلسلے میں یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ اپنے گھر کے افراد کے علاوہ کسی اور کو دعوت نہ دیں۔ نہ کوئی پڑوسی، نہ رشتہ دار، سبھی اپنے اپنے گھروں میں باجماعت کا اہتمام کریں۔ اس بات کی سختی سے پابندی ہو۔

(۳) نمازِ تہجد:

نمازِ تہجد کی غیر معمولی اہمیت قرآن اور احادیثِ مبارکہ میں وارد ہوئی ہے۔ اس رمضان سحری سے قبل جلدی اٹھ کر ہم پورے مہینہ نمازِ تہجد کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔ اگر اس رمضان فرصت کے اوقات کا بہترین استعمال کرتے ہوئے آپ جلدی سوجائیں اور بسیار خوری اور غیر ضروری رات کو جاگنے سے پرہیز کریں تو تہجد کا اہتمام ہوسکتا ہے۔ اور بعید نہیں کہ ان ۳۰ دنوں کے بعد نماز تہجد آپ کی مستقل عادت بن جائے۔ ان شاء اللہ! نمازِ فجر کے بعد کچھ اذکار کریں اور طلوع آفتاب کے بعد نمازِ اشراق کا اہتمام بھی کریں۔ اس طرح اس رمضان نوافل کا بھرپور اہتمام ہو۔ نمازوں سے جڑی سنن ونوافل کا اہتمام کریں۔ اپنی قضا نمازیں بھی پوری کریں۔

(۴) انفاق فی سبیل اللہ:

رمضان شہر مواساۃ (بھائی چارہ کا مہینہ) ہے۔ نیز روزہ ہمیں ہمدردی وغم گساری سکھاتا ہے۔ موجودہ وقت میں جبکہ لاک ڈاؤن کی وجہ سے کاروبار، کارخانے بند ہیں، مزدوروں اور روزانہ کما کر کھانے والے افراد کے لیے ایک بڑی آزمائش ہے کہ وہ اپنی اور اپنے اہلِ خانہ کی کفالت کیسے کریں، اس لیے اس وقت انفاق فی سبیل اللہ کے لیے آگے آنے کی ضرورت ہے۔ جس طرح آنحضرتؐ اس مہینے میں ہوا سے بھی زیادہ فیاض ہوجایا کرتے تھے، اسی طرح آپ بھی اپنی زکوٰۃ اور صدقات کے ذریعہ فیاضی کا مظاہرہ کیجیے۔ راشن کٹ تقسیم کرنے میں مدد کیجیے۔ اس مہینے اپنے پڑوسی کا بھی خیال رکھئے۔ کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا اگر وہ پیٹ بھر کھانا کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔ (حدیث)

(۵) فیملی اجتماع :

گھر میں اہلِ خانہ کی تربیت کے لیے فیملی اجتماع کا انعقاد کیا جاسکتا ہے۔ جس میں درس قرآن ، درسِ حدیث، صحابہ کے واقعات، ذکر واذکار، اسلامی تاریخ، اسلامی فقہ وغیرہ موضوعات کے تحت پروگرام کیے جاسکتے ہیں۔ فیملی اجتماع کا روزانہ ایک وقت طے کرلیں۔ طے شدہ وقت پر تمام گھر کے افراد حاضر رہیں یا فارغ رہیں۔ دوپہر کے وقت میں مختصر قیلولہ تو ہو لیکن پورے دن سوتے رہنے سے بچیں، اس سے روزہ مکروہ ہوجاتا ہے۔ دوپہر کے اوقات میں دینی لیکچر، قرآن یا اور کسی دینی عنوان پر documentry وغیرہ کے ویڈیو کا اہتمام بھی ہوسکتا ہے۔ ان لیکچرس میں ساتھ ساتھ نوٹس لیں تاکہ آپ زیادہ سے زیادہ نکات محفوظ کرسکیں۔

(٦) صحت:

صحت اللہ تعالی کی بیش بہا نعمت ہے۔ خصوصاً جبکہ لوگ کورونا وائرس کی زد میں آکر ہلاک ہورہے ہیں اگر آپ صحت مند ہیں اور اس مرض سے محفوظ ہیں تو اس نعمت کی قدر کیجیے۔ گھر ہی پر رہیے۔ لاک ڈاؤن کی پوری پابندی کریں۔ کورونا اور اس طرح کی سبھی بیماریوں سے بچنے کے لیے آپ کا مدافعتی نظام Immune System بہتر ہونا چاہیے۔ اچھے مدافعتی نظام کے لیے مناسب مقدار میں صحت مند غذا کا اہتمام کریں۔ عام طور پر رمضان میں کھانے پینے کا موسمِ بہار محسوس ہوتا ہے۔ جیسے کہ یہ کوئی Food Festival ہے اس احادیث میں پیٹ بھر کھانے کی بھی ممانعت آئی ہے۔ رمضان چونکہ

ہوٹلس اور کھانے کے بازار (چٹوری گلیاں) بند رہیں گی، اس لیے نہ صرف اس طرف کا رخ نہ کریں بلکہ اپنے گھر میں زیادہ کھانے سے پرہیز کریں۔ چربی اور کاربو ہائیڈریٹس والے کھانوں سے پرہیز کریں۔ گوشت کم کھائیں، سلاد، ہری سبزیاں اور پھلوں کا زیادہ استعمال کریں، سحری اور افطار کے اوقات میں بھرپور پانی پئیں۔ دن میں کسی بھی وقت ہلکی ورزش (Exercise) کریں اور کھانے کے بعد گھر ہی میں چہل قدمی کا اہتمام ہو۔

(۷) ففروا الی اللہ:

کورونا وبا کی مختلف دینی حلقے مختلف آراء کے ساتھ استدلال کررہے ہیں۔ کچھ لوگ اسے عذابِ الٰہی گردان رہے ہیں تو وہیں کچھ لوگ اسے آزمائش قرار دے رہے ہیں۔ منشاءِ الٰہی جو بھی ہو لیکن یہ ضرور ہے کہ ہمیں اس کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔ اور اللہ کی جناب میں اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگنی چاہیے۔ یہ واضح طور سے اللہ تعالیٰ کے طرف دوڑنے کا وقت ہے۔ اس رمضان اپنی پوری زندگی کا احتساب کریں اور اپنے تمام کبیرہ وصغیرہ گناہوں پر توبہ واستغفار کریں۔ ذکر واذکار کے ذریعہ اس کی کبریائی کا اظہار کریں۔ اس کے ذکر سے اپنی زبان تر رکھیں۔ مسنون دعاؤں کا اہتمام کریں اور اپنے قول وعمل سے اس کا شکر ادا کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور جس ہدایت سے اللہ نے تمھیں سرفراز کیا ہے۔ اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار واعتراف کرو اور شکرگزار رہو۔'' (البقرۃ: ۱۸۵)

فجر اور عصر کے بعد اور دن کے دیگر اوقات میں دعاؤں، ذکر واذکار کا اہتمام ہو۔ (اس سلسلے میں ماثورات، آنحضرتؐ کی دعائیں، حصن المسلم جیسی کتب مفید ثابت ہوسکتی ہیں)

(۸) اعتکاف:

رمضان کے آخری دس دنوں میں اپنے گھر میں ایک جگہ مختص کرکے سنتِ اعتکاف کا اہتمام کریں۔ اس اعتکاف کے کیا مسائل ہوں گے۔ ہم فقہ کے ماہرین سے پوچھ سکتے ہیں۔ طاق راتوں میں عبادات اور قرآن سے تعلق پر ضرور وقت دیں۔

(۹) مطالعہ (Study):

لاک ڈاؤن کی وجہ سے بہت سے طلبہ کے امتحانات باقی ہیں۔ اس لیے اس رمضان وہ اپنے نصابی مطالعہ کے لیے بھی روزانہ کچھ وقت فارغ کریں۔ اپنی پڑھائی کے لیے طلبہ بہت سے online plateforms کا بھی استعمال کرسکتے ہیں۔ جیسے Khan Academy Byju's, Udemy, Unacademy وغیرہ۔ ان Apps میں آن لائن کلاسیس بھی لی جاتی ہیں۔ اس سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ نیز اس رمضان دینی مطالعہ کے لیے بھی کچھ ٹارگیٹ بنائیں۔ جیسے حدیث، فقہ، اسلامی تاریخ، اسلامی نظامِ زندگی، تحریکِ اسلامی وغیرہ یہ مطالعہ آج کے دور میں آپ کو اسلام سے جوڑے رکھے گا۔ جن افراد کے امتحانات ہوگئے ہیں، وہ قرآنی عربی، تجوید ومخارج، قرأت سیکھنے کا اہتمام، کوئی Soft Skill سیکھنے کا اہتمام کریں۔

(۱۰) اہلِ خانہ کی امداد:

عام طور سے ہمارے گھر کی خواتین رمضان المبارک میں صبح سے شام تک افطار بنانے میں لگی رہتی ہیں۔ افطار کے بعد سحری کی تیاری، اس لیے وہ اپنے آرام کا خیال نہیں رکھ پاتیں، ان کی صحت متاثر ہوتی ہے۔ نیز اس کا اثر ان کی عبادت پر بھی پڑتا ہے۔ اس بار اللہ تعالیٰ نے تمام مرد حضرات کو یہ موقع دیا ہے کہ وہ گھر میں رہ کر ان خواتین کی بھرپور مدد کرسکتے ہیں۔ کچن میں ان کا ہاتھ بٹائیے، بچوں کے اور اپنے کام خود کیجیے، دسترخوان لگانے سے لے کر اٹھانے تک میں ان کی مدد کیجیے۔ یاد رکھئے وہ انسان بہترین ہے جو اپنے گھر کے افراد کے لیے اچھا ہو۔ مرد اپنے بچوں کی تربیت کے لیے بھی وقت نکالیں، ان کا قرآن درست کریں، انھیں صحابہ واسلاف کے قصے سنائیں تاکہ ان کے بچے بھی ان بزرگوں کی طرح بن سکیں۔ بچے اپنے والدین وبزرگوں کی خدمت کریں۔ ان کی صحبت میں وقت گزاریں۔

اس رمضان اس بات کی پوری کوشش کیجیے کہ میں اور آپ اپنے رب کو منالیں۔ اس لیے مندرجہ بالا نقات کے تحت ایک ٹائم ٹیبل ترتیب دیجیے۔ اور ہر روز سونے سے قبل ٹائم ٹیبل اور منصوبہ بندی کے ساتھ احتساب کیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رمضان کی ساعتوں کا بہترین استعمال کرنے کی توفیق، صلاحیت اور ہمت عطا کرے۔ آمین!

نام کتاب	قرآن مجید۔ ہر انسان کے لیے رہ نما کتاب
مصنف	محمد اقبال ملاؒ
صفحات	104
اشاعت اول	مئی 2019ء
قیمت	-/88 روپئے
ناشر	مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی
مبصر	محمد معاذ

زندگی گزارنے کے لیے سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ انسان ان حقیقتوں کو جان لے جو محض تجربہ کی بنیاد پر نہیں سمجھی جاسکتیں۔ جیسے ہم اس دنیا میں کیوں آئے ہیں؟ سرد و گرم حالات میں ہمارا رویہ کیا ہونا چاہیے؟ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ یہ وہ بنیادی سوالات ہیں جن کا جواب ایک انسان کی زندگی کا رخ متعین کرتا ہے۔ یہ ربّ کائنات کا بڑا احسان ہے کہ اس نے ان سوالات کے شافی جوابات اپنے انبیاء کے ذریعے سے دیے۔ چنانچہ حضرت آدمؑ سے لے کر محمد ﷺ تک مختلف ادوار میں نبی آتے رہے اور اللہ کے بندوں کو کلامِ الٰہی کی تعلیمات کا درس دیتے رہے۔ اللہ کا دین دنیا کے تمام انسانوں کے لیے نسخۂ کیمیا ہے۔ اسی لیے آسمانی کتب کا مطالعہ اور ان سے رہنمائی حاصل کرنے کا حق بھی تمام لوگوں کو ہے۔

زیرِ نظر کتاب ''قرآن مجید ہر انسان کے لیے رہ نما کتاب'' اسی حقیقت کو قاری کو یاد دلاتی ہے کہ ''قرآن'' تمام انسانوں کے لیے اللہ کی طرف سے راہ نما

اصولوں پر مبنی کتاب ہے۔ یہ اصول انسان کو اس کی اصل حیثیت سے آگاہ کر کے اس کو بھٹکنے نہیں دیتے۔ اس اہم تعارفی کتاب کے مصنف محمد اقبال ملاّ صاحب (سکریٹری جماعت اسلامی ہند) ہیں۔مصنف کی تحریریں ان کی دعوتی تڑپ کی عکاسی کرتی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب کا انتساب فاضل مصنف نے کچھ اس طرح کیا ہے ''انتساب ان تمام بھائیوں اور بہنوں کے نام جنھوں نے قرآنِ مجید کو مخصوص طور پر مسلمانوں کی قومی کتاب سمجھ کر ابھی تک اس کا مطالعہ کرنا ضروری نہیں سمجھا ہے۔'' (ص:۷)

اس کتاب کا پہلا باب ''قرآن مجید کیا ہے؟'' کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے۔ اس باب میں مصنف نے اس بات پر زور دیا ہے کہ قرآن اللہ کی جانب سے اسی طرح کی ایک کتاب ہدایت ہے جیسا کہ ابتداءِ انسانی سے اللہ مختلف انبیاء پر ہدایت نامے نازل کرتا رہا ہے۔ نیز یہ کتاب دراصل ایک ہدایت نامہ ہے جو کہ زندگی کے نشیب وفراز میں انسان کو صحیح ڈگر پر قائم رکھتا ہے۔

جناب محمد اقبال ملاّ صاحب کی کتاب کا اگلا باب ''وحی'' ہے۔اس باب میں مصنف نے وحی کی تعریف، وحی کے بنیادی عناصر اور وحی کی ضرورت پر سیرِ حاصل گفتگو کی ہے۔اسی باب میں وحی اور عقل کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ ''انسان کی عقل، تجربہ اور مشاہدہ اپنے اندر محدودیت (Limitations) رکھتے ہیں۔ یہ صلاحیتیں کمزوریوں اور خامیوں سے پاک نہیں ہیں۔'' (ص:۲۲) قاری محسوس کرتا ہے کہ کتاب میں اس مضمون کو ترتیب کے لحاظ سے پہلے آنا چاہیے تھا کیونکہ قرآن مجید کی اصل تعریف وحی کے بغیر نامکمل رہتی ہے۔

اگلا باب ''قرآن مجید کی بعض امتیازی خصوصیات'' ہے۔اس باب میں مصنف نے عقلی اور نقلی نقطۂ نظر سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل کردہ کلام ہے۔اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ ''سابقہ تمام آسمانی کتابوں کے ماننے والوں اور پیرووں سے بھی قرآن مجید اپنا رشتہ قائم کرتا ہے اور انہیں بھولا ہوا سبق یاد دلاتا ہے۔'' (ص ۳۴)

اس ذیل میں مزید لکھتے ہیں کہ ''قرآن مجید نے پچھلی کتابوں کی تمام صداقتوں کو اپنے اندر محفوظ کرلیا ہے۔اس لیے قرآن مجید کو تسلیم کرنا پچھلی کتابوں کو تسلیم کرنا ہے۔'' (ص ۴۳)۔ اس سلسلے میں اگر مصنف سورۃ آل عمران، سورۃ الانبیاء کی بعض آیات کا تذکرہ کردیتے تو مزید بہتر ہوتا۔

کتاب کا اگلا باب ''قرآن مجید ہی کیوں'' کے عنوان سے قائم کیا گیا ہے۔اس باب میں مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ آج قرآن ہی وہ واحد نسخۂ کیمیا ہے جو انسان کو ہدایت سے سرفراز کرتا ہے۔اس گفتگو کے آخری نکتہ ہی میں ''عالم انسانیت پر قرآن مجید کے احسانات'' کو شامل کیا جاسکتا ہے۔ جسے صفحہ ۶۴ پر الگ عنوان کے تحت موضوعِ گفتگو بنایا گیا ہے۔

اگلا باب بہت حساس موضوع کا احاطہ کرتا ہے کہ ''قرآن مجید سے ہدایت پانے والے اور اس سے محروم رہنے والے کون ہیں؟'' اس موضوع کے تحت مصنف نے بڑی عمدگی کے ساتھ آیاتِ قرآنی کا احاطہ کیا ہے جو کہ واضح کردیتی ہیں کہ قرآن سے ہدایت پانے والے خوش بخت کون لوگ ہیں۔ ایک دلچسپ اصطلاح ''گرو'' پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔

آخری باب قرآن مجید کی تعلیمات سے متعلق ہے جس میں توحید، آخرت اور رسالت کا احاطہ کیا گیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب الحمدللہ ضروری حوالوں سے پُر ہے، زبان آسان ہے۔ ایک جگہ قرآن مجید کے تعارف کی جگہ قرآن مجید ایک تعارف لکھ دیا گیا ہے۔ گفتگو کے اختتام میں مطالعہ قرآن مجید سے متعلق چند مشورے کی جگہ ''آداب'' زیادہ بہتر اصطلاح ہے کیونکہ ان آداب کا شعور واستحضار بھی مطالعہ قرآن کی تیاری ہی کا حصہ ہے۔ امید ہے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔

تبصرہ

نام کتاب : جرم وسزا اور تفتیش
مصنف : سالک دھامپوری
صفحات : 272
اشاعت اول : 2019ء
قیمت : -/168 روپئے
ناشر : جے پی ایس پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی 110025
فون: 9911533470, 9868966128
مبصر : محمد معاذ

زندگی کے نشیب وفراز اپنے پہلو میں عبرت و نصیحت کا وافر سامان رکھتے ہیں۔ بشرطیکہ دیدۂ بینا ہو۔ اتار اور چڑھاؤ ہر کسی کی زندگی میں آتے ہیں۔ بعض خوش قسمت تیکھے لمحات کو صبر وشکر کے ساتھ گزار دیتے ہیں، جبکہ بہت سے نادان اپنے نفس سے مغلوب ہوکر مجرم بن بیٹھتے ہیں۔ جرم کے منظر عام پر آنے سے قانون حرکت میں آجاتا ہے۔ مجرم کو کیفرِ کردار تک پہنچانے میں پولیس محکمہ کا خاصا اہم رول ہوتا ہے۔ جرم کی تفتیش، جانچ پڑتال اور ثبوتوں کی فراہمی یہ سب کام خاصی جرأت، ہمت اور دوراندیشی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

ماضی قریب میں پولیس کس طرح تفتیش کرتی تھی، جرم کی نوعیت کیا ہوا کرتی تھی، اور سماج مجرموں کو کس نگاہ سے دیکھتا تھا، یہ موضوعات جہاں قانون، سماجیات، نفسیات اور عام قارئین کی دلچسپی کا موضوع ہیں وہیں عصر حاضر کے پولیس محکمہ کے لیے بھی راہ نما خطوط مہیا کرتے ہیں۔ معروف صحافی، مصنف سالک دھامپوری کی زیرِ نظر کتاب ''جرم وسزا اور تفتیش'' ایسے حساس قارئین کے لیے قیمتی تحفہ ہے جو جرم کی ہر شکل کو سماج کے چہرے پر ایک بدنما داغ تصور کرتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ یہ کتاب قاری کو مجرم کی نفسیات سے روبرو کراتی ہے۔ یعنی اس حقیقت سے آگاہ کرتی ہے کہ کوئی بھی انسان پیدائشی مجرم نہیں ہوا کرتا، بلکہ گردوپیش کے حالات اسے مجرم بنادیتے ہیں۔ مثلاً: ملاحظہ ہو

''زندگی اور موت صرف خدا کے ہاتھ میں ہے تھانے دار صاحب!'' وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

''میں تو صرف یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ آپ کا قانون بااثر افراد کے ہاتھوں مصلحت کا شکار ہوکر انصاف کے تقاضے پورے نہیں کرپاتا۔''

''کیا کہنا چاہتے ہو؟'' میں نے گھور کر اس کی ایک آنکھ میں دیکھا۔

''یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر جیدا کی بہن عابدہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی پر آپ کا قانون خاموش نہ رہتا اور علی نواز و جان محمد جیسے چودھری کے پالتو کتوں کو آپ نے قرار واقعی سزا دلوائی ہوتی تو یہ حالات ہرگز ہرگز پیش نہ آتے۔'' (ص 65، احسان کا بدلہ)

جرم وسزا کے واقعات کو چٹ پٹے انداز سے پیش کرکے دادِ تحسین وصول کرنا بہت دلچسپ مشغلہ ہے۔ لیکن مصنف موصوف سالک دھامپوری صاحب جرم کے ہر واقعے کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی یہ کتاب نہ صرف یہ کہ مجرم تک پہنچنے کے گر سکھاتی ہے بلکہ جرم کے پس منظر سے بھی آگاہ کرتی ہے۔ اگر قانون کے رکھوالے جرم کے اسباب کی طرف بھی توجہ دیں تو جرائم میں خاطر خواہ کمی آسکتی ہے۔

ذیل کی سطور ملاحظہ ہوں:

''میں نے جو کچھ کیا خلوص نیت سے کیا ہے۔'' وہ بے خوف لہجے میں بولی۔

''میرا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ ساجد، جاوید کو قتل کرادے۔ میں تو صرف یہ چاہتی تھی کہ ساجد کسی طرح نرگس کو اس جہنم سے نکالے۔'' (ص 185، چھپا رستم)

کتاب کے پیش لفظ میں فاضل مصنف نے وضاحت کی ہے کہ یہ کہانیاں محض ان کے تخیل کی پرواز نہیں ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ ''پھر مجھے ایک بہت پرانے پولیس انسپکٹر کی ڈائری مل گئی جس میں ان کے حل کیے گئے قتل کے واقعات کی روداد موجود تھی۔'' (ص 8، پیش لفظ)

اس طرح سالک صاحب کی یہ کتاب تفتیش کرنے والوں کے لیے ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں چھ سنسنی خیز قتل کے واقعات کی تفتیشی کارروائی اپنے پورے نشیب وفراز کے ساتھ درج ہے۔ ہر روداد کے بعد قاری جرم کے خلاف نفرت کے جذبات واضح طور پر محسوس کرتا ہے۔ یہ تمام رودادیں اس سچائی کا بیانیہ ہیں کہ جرم کی ہر پلاننگ دراصل ریت پر تعمیر کیے گئے محل کی مانند ہے جو نہایت ہی کمزور اور غیر مستحکم ہوتی ہے۔ اپنی ادبی اہمیت کے پیش نظر یہ کتاب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان سے شائع کی گئی ہے۔ امید ہے مصنف کی دیگر نگارشات کی طرح یہ کتاب بھی قارئین کے ادبی ذوق کا سامان کرے گی۔

صحت و مرض

کورونا وائرس مہاماری اور اسلامی تعلیمات

احسن فیروز آبادی (علی گڑھ، یوپی)

زندگی کے تمام گوشوں سے متعلق اسلام جامع تعلیمات دیتا ہے۔ اسی لیے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ:

''تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا گیا ہے۔'' (قرآن)

تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ تیزی سے پھیل رہی کسی مہاماری کے متعلق سے کوئی رہنمائی نہ ہو۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضمن میں کیا ارشاد فرمایا اور ایسی وبا آنے پر صحابہ کیا تدابیر اختیار کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا عَبدُ اللّٰهِ بنُ يُوسُفَ ، أَخبَرَنَا مَالِک، عَن ابنِ شِهَابٍ ، عَن عَبدِ الحَمِيدِ بنِ عَبدِ الرَّحمَنِ بنِ زَيدِ بنِ الخَطَّابِ ، عَن عَبدِ اللّٰهِ بنِ عَبدِ اللّٰهِ بنِ الحَارِثِ بنِ نَوفَلٍ ، عَن عَبدِ اللّٰه بنِ عَبَّاسٍ : أَنَّ عُمَرَ بنَ الخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ خَرَجَ إِلَى الشَّامِ حَتّٰى إِذَا كَانَ بِسَرغَ لَقِيهُ أُمَرَاءُ الأَجنَادِ ، أَبُو عُبيدَةَ بنُ الجَرَّاحِ ، وَأَصحَابُهُ، فأخبروه أن الوباء قد وقع بارض الشام، قال ابن عباس: فقال عمر: ادع لی المهاجرين الاولين، فدعاهم فاستشارهم، وأخبرهم أن الوباء قد وقع بالشام، فاختلفوا، فقال بعضهم، قد خرجت لأمر ولا نرى أن ترجع عنه، وقال بعضهم، معک بقية الناس وأصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم، ولا نری ان تقدمهم على هذا الوباء، فقال: ارتفعوا عنّی، ثم قال: ادعوا لی الانصار فدعوتهم فاستشارهم، فسلكوا سبيل المهاجرين، واختلفوا كاختلافهم، فقال: ارتفعوا عنی، ثم قال: ادع لی من كان ها هنا من مشيخة قريش من مهاجرة الفتح، دفعوتهم فلم

يختلف منهم عليه رجلان، فقالوا: نرى ان ترجع بالناس ولا تقدمهم على هذا الوباء، فنادى عمر فى الناس، انى مصبح على ظهر فأصبحوا عليه، قال ابو عبيده بن الجراح، أ فرارا من قدر الله! فقال عمر: لو غيرك قالها يا ابا عبيدة: نعم، نفر من قدر الله الى قدر الله، أرأيت لو كان لك ابل هبطت واديا له عدوتان احداهما خصبة والاخرى جدبة، أليس ان رعيت الخصبة رعيتها بقدر الله وإن رعيت الجدبة رعيتها بقدر الله، قال: فجاء عبدالرحمن بن عوف وكان متغيبا فيح بعض حاجتة، فقال: إن عندى فى هذا علما: سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، يقول: إذا سمعتم به بأرض فلاتقدموا عليه۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی اپنے بیمار اونٹ کو صحت مند اونٹ کے ساتھ نہ رکھے۔(بخاری۔۵۷۷۱/مسلم۔۱۹۷۵)

عمر فاروق اپنے دورِ خلافت میں ملک شام گئے تھے تو جب وہ ملک شام کے قریب پہنچے تو وہاں کے آرمی چیف ابوعبیدہ ان کو شام کے باہر ہی لینے آئے اور کہا اے امیر المؤمنین شام میں تو طاعون کا مرض پھیلا ہوا ہے۔تو حضرت عمرؓ نے وہیں پڑاؤ ڈال لیا اور کہا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا جائے گا اب ہمیں طاعون والی جگہ جانا چاہئے یہ نہیں جانا چاہئے؟ تو صحابہ میں دو رائیں بن گئیں کچھ لوگوں نے کہا: ہمیں اللہ کی تقدیر سے نہ بھاگنا چاہئے۔اگر ہماری قسمت میں بیماری سے موت لکھی ہوگی تو آ ہی جائے گی۔

دوسروں نے کہا عقل کا تقاضا یہ ہے کی ہمیں اس بیماری والی جگہ نہ جانا چاہیے تو حضرت عمر نے کہا: ہمیں نہیں جانا چاہیے۔تو حضرت ابوعبیدہ نے کہا: اے امیرالمومنین آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں۔تو حضرت عمر نے کہا: ابوعبیدہ کے سوا کسی اور نے یہ بات کہی ہوتی تو تو یہ بات نہ کرتا میرے بارے میں تو تو جانتا ہے۔آپ نے کہا کہ ابوعبیدہ یہ بتاؤ اگر تم اونٹ پالتے ہو تمہارے پاس دو گھاٹیاں ہوں ایک گھاٹی بنجر ہو اور ایک گھاٹی میں سبزہ اُگا ہو تو تم کس گھاٹی میں اپنے اونٹ لے کر جاؤ گے؟ تو کہا سبزہ والی میں تو تم بنجر والی زمین میں کیوں نہ لے کر جاؤ گے کیوں کہ تم سمجھ رہے ہو یہاں پر تمہیں فائدہ ہے۔ہم اللہ کی ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف جا رہے ہیں۔یہ بھی ہمیں اللہ نے عقل دی ہے کی ہم ایسی جگہ پر نہ جائیں جہاں پر وبا پھیلی ہوئی ہو۔اتنے میں عبدالرحمن بن عوف آئے جو کہیں گئے ہوئے تھے، انہوں نے کہا مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جہاں کہیں سنو کی تم وبائی مرض یا طاعون پھیل گیا ہے تو تم اس علاقے میں مت جاؤ اور اس علاقے کے لوگ اس علاقے کو چھوڑ کر باہر نہ نکلیں تو حضرت عمر نے کہا: الحمد اللہ میرا اجتہاد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے مطابق نکلا میں نے بھی یہی اجتہاد کیا تھا ۔عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ وہاں پر رہیں گے، وہ اللہ کی تقدیر پر راضی رہیں۔اللہ کی طرف رجوع کریں اگر اللہ نے ان کی قسمت میں بیماری لکھی ہے، تو ہوگی اور اس بیماری میں اگر میری امت کا جو بھی

شخص طاعون کے مرض میں مرے گا اللہ کے حضور شہید تصور ہوگا (بخاری ۵۷۲۹، مسلم ۵۷۸۴)

زیادہ تفصیل میں نہ جاتے ہوئے آثار اور فرمان رسولؐ سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ اگر کسی مقام پر ایسا مرض پھیلا ہوا ہے جس کی شکل مہاماری یا کسی وبا کی ہے تو اسلامی تعلیمات کے مطابق جہاں مہاماری پھیلی ہوئی ہے وہاں کے لوگ کسی بھی حال میں اس جگہ کو نہ چھوڑیں اور اس مہاماری کی جگہ پر باہر کے لوگ بھی رابطہ میں نہ آئیں۔

نبی ﷺ کا مسجدوں میں آنے سے منع کرنا

بعض حضرات علمائے کرام کے ذریعہ سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ کسی بھی حال میں نماز باجماعت نہیں چھوڑی جاسکتی جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے کسی مہاماری تو چھوڑیے مختلف حالات میں مسجدوں کی جگہ گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا اور اس کا اعلان اذان کے ساتھ ساتھ کروایا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے برسات کی راتوں میں، خوف کے عالم میں اور جنگ کے وقت میں نماز کو اپنے گھروں میں ادا کر نے کی تلقین فرمائی یہاں تک کہ نماز جمعہ کی بھی جس کی روایت بخاری مسلم وغیرہ میں بھی ملتی ہے۔

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مقام ضجنان میں سرد رات میں اذان دی اور ساتھ میں یہ الفاظ کہے: الا صلو فی رحالکم اے لوگو! اپنے اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو اور آپ نے ہمیں بتایا کہ نبی کریم ﷺ مؤذن سے اذان کے لئے فرماتے اور یہ بھی فرماتے کہ اذان کے بعد کہہ دے کہ لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو یہ حکم سفر کی حالت میں یا سردی برسات کی راتوں میں تھا۔'' (بخاری 632)

ہمیں ایک دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جبکہ بارش کی وجہ سے کیچڑ ہو رہی تھی فتویٰ سنایا پھر مؤذن کو حکم دیا اور جب وہ حی علی الصلوٰۃ پر پہنچا تو آپ نے فرمایا: یوں پکار دو ''الصلوٰۃ فی رحالکم۔'' (کہ نماز اپنی قیام گاہوں میں پڑھو)۔ لوگ ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھنے لگے جیسے اس کو انھوں نے ناجائز سمجھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے تم نے شاید اس کو برا جانا ہے! ایسا تو مجھ سے بہتر ذات رسول اللہ ﷺ نے بھی کیا تھا بیشک جماعت واجب ہے مگر میں نے یہ پسند نہیں کیا ''حی علی الصلوٰۃ'' کہہ کر تم کو باہر نکالوں اور تکلیف میں مبتلا کروں! اور ہم حماد عاصم سے، عبداللہ بن حارث سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کرتے ہیں کہ البتہ انہوں نے اتنا اور کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں ہوا کہ تمہیں گنہگار کروں اور تم اس حالت میں آؤ گے کہ تم مٹی میں گھٹنوں تک آلودہ ہو گئے ہو گے۔'' (بخاری 868)

سوشل ڈسٹینسنگ کے تعلق سے اسلامی تعلیمات

دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ لوگ سب سے زیادہ پامالی سوشل ڈسٹینسنگ کی کر رہے ہیں اس بارے میں بھی یہ جاننے کی کوشش کرنی چاہیے کہ اسلام ایسے وقت میں جب کہ کوئی بیماری مہاماری کا روپ لے چکی ہو سوشل ڈسٹینسنگ کے بارے میں کیا تعلیم دیتا ہے؟

اسلامی تاریخ میں جس مہاماری کا ذکر ملتا ہے اسے طاعون کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ہندوستان اور دوسرے ملکوں میں بھی کچھ سالوں پہلے طاعون کی وبا پھیلی تھی جسے پلیگ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اسلامی تاریخ میں طاعون کے اس واقعہ کا ذکر ملتا ہے جو 18 ہجری میں پیش آیا۔

مسلم فوجی رومیوں کے خلاف جنگ کر رہے تھے، ایسے

وقت میں طاعون کی مہاماری پھیل گئی جس کی وجہ سے پچیس ہزار لوگوں کی جان چلی گئی۔ جس میں معاذ بن جبلؓ، ابوعبادہؓ، یزید بن سفیانؓ کے ساتھ ساتھ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی شہید ہوگئے۔ اس کے بعد عمر بن عاص رضی اللہ عنہ نے فوج کی کمان سنبھالی اور لوگوں کو جنگلوں میں منتشر ہونے کو کہا اور ایک جگہ اکٹھا ہونے پر پابندی عائد کر دی اور کہا کہ طاعون کی مہاماری تم پر اثر انداز نہ ہوگی اگر تم ایک دوسرے سے دوری بنا کر رکھوگے۔

جب اس کی خبر خلیفہ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انھوں نے اسے مناسب سمجھا اور عبادہ بن ضرار رضی اللہ عنہ کے اصرار کے باوجود دمشق جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

ایسے ہی ایک واقعہ حضرت ابن حجر عسقلانی کی کتاب بذل الماعون فی فضل الطاعون میں ملتا ہے جس میں وہ قاہرہ میں 883 ہجری میں طاعون کی مہاماری کا ذکر کرتے ہیں جب روزانہ لگ بھگ 40 لوگ مہاماری کی وجہ سے اپنی جان گنوا رہے تھے۔

چناں چہ شہر کے بزرگوں نے فیصلہ کیا کہ شہر کے باہر جا کر ریگستان میں اجتماعی دعا اور عبادت کا پروگرام کیا جائے۔ لہٰذا پانچ لوگ جمع ہوئے اور اجتماعی دعا کا اہتمام کیا گیا، پر شہر واپس پہنچنے کے بعد مرنے والوں کی تعداد میں اچانک کئی گنا اضافہ ہوگیا اور روزانہ مرنے والوں کی تعداد بڑھ کر ہزار تک پہنچ گئی یعنی اس معاملے میں اجتماعی شکل میں جمع ہونا ان کے لیے ہلاکت کا سبب بنا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ 794 ہجری دمشق میں پیش آیا۔

حاصل کلام

خوف، جنگ، برسات وغیرہ معاملوں کو دیکھتے ہوئے لوگوں کو اپنے گھروں میں رہ کر عبادت کی تاکید کی گئی ہے۔ لہٰذا یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ مہاماری کے وقت میں لوگ سوشل ڈسٹینسنگ کا بھی خیال رکھیں۔

ابھی تک مہاماری کے سبب میں جو اسلامی تعلیمات آئی ہیں ان کا لب لباب یہ ہے کہ جس وقت بھی ایسی مہاماری پھیلے جس کی وجہ سے انسانی جان خطرے میں آجائے تو سب سے اہم کام انسانی جانوں کو بچانے کا ہوتا ہے۔

دوسرا یے کہ ایسے وقت میں جب کہ تیز بارش ہو، جنگ کا موقعہ ہو یا کوئی مہاماری ہو جس کی وجہ سے انسانی جان خطرے میں آجائے ایسے وقت میں اللہ کے رسولؐ نے مسجد میں آنے سے منع فرمایا ہے، جس کی حکمت یہ ہے کہ لوگ ایک جگہ نہ جمع نہ ہوں (عدم اختلاط) جس سے کہ مہاماری بڑھنے کا خطرہ بڑھ جائے۔ بلکہ لوگ سوشل ڈسٹینسنگ کا خیال رکھیں۔

تیسرا یہ کہ طاعون جیسی مہاماری کے حالات میں صحابہ کرامؓ نے اجتہاد کیا اور تدابیر اختیار کیں جو اس وقت، حالات، جگہ وغیرہ کے لئے مناسب تھیں اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت اور بہت ساری اسلامی تعلیمات میں ایسی بے شمار مثالیں مل جائیں گی کہ انسانی جانوں کو بچانے کے لیے وقت وحالات کے پیش نظر کچھ نئے اقدامات کئے گئے۔

لہٰذا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے فرمان سے بھی یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ سوشل ڈسٹینسنگ (عدمِ اختلاط) کا خیال رکھنا چاہیے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو واقعات نقل کیے ہیں ان سے بھی یہی سبق ملتا ہے کہ عبادت کی غرض سے بھی ایسے حالات میں جمع ہونا اپنے آپ کو قصداً ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

اس سے پہلی تحریر میں بتایا جا چکا ہے جہاں مہاماری پھیلی ہو وہاں کے لوگ کسی دوسری جگہ پر اور دوسری جگہ کے لوگ ایسی مہاماری کی جگہ پر نہ جائیں۔

قرآن نے بھی بالکل واضح انداز میں یہ تعلیم دی ہے کہ ’’اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔‘‘ اس آیت کی رو سے انسانی جان کی حفاظت سے متعلق ہر جائز تدبیر اختیار کرنا قرآنی تعلیمات پر ہی عمل ہے۔

کرونا وائرس

عالمی وبا کے چار مراحل

ڈاکٹر عدنان الحق خاں، ناگپور

کرونا وائرس بیماری (Corona Virus Disease 2019- Covid 19) چین کے وُہان شہر سے شروع ہوکر تا حال دنیا کے تقریباً ۲۱۰ ممالک کو اپنی چپیٹ میں لے چکی ہے۔ یہ بیماری دراصل ایک وائرس کی وجہ سے ہوتی ہے جسے Severe Acute Respiratory Syndrome - Corona Virus-2 (SARS- Cov2) یا Novel Corona 2019 کہتے ہیں۔ یہ وائرس منہ اور ناک کی رطوبتوں (droplets) کے ذریعے پھیلتا ہے۔ یہ بیماری پہلے سے متاسر افراد کے نتیجے میں پھیلتی ہے۔ وائرس کے جسم میں جانے کے بعد دو ہفتے تک کوئی علامات ظاہر نہیں ہوتیں، لیکن فرد کے ذریعے اس دوران وائرس کا دائرۂ اثر پھیلتا ہے۔

کیونکہ یہ بیماری ایک سے دوسرے کو لگتی ہے۔ اگر ایک فرد سے دوسرے کو نہ لگنے دی جائے تو بیماری وبا نہیں بن پاتی۔ اس وبا کے پھیلنے کے چار مراحل ہوتے ہیں۔

(۱) پہلا مرحلہ: باہر سے آئے مریض (Imported Cases)

اس مرحلے میں متاثر ممالک سے بعض بیمار کسی اور ملک میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کو یہاں کے لوگوں سے ملنے کا موقع نہ دیا جائے تو بیماری نہیں پھیل سکتی۔ نبی ﷺ نے اس مرحلے کے لیے اہم ہدایات دی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: جب کسی جگہ طاعون کی وبا پھیل رہی ہو تو وہاں مت جاؤ اور جب کسی جگہ یہ وبا پھوٹ پڑے اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے مت نکلو۔'' (صحیح بخاری: 5728)

(۲) دوسرا مرحلہ: کسی مقام پر بیماری کا پھیلنا (Local Transmission)

کسی متاثر ملک سے آنے والے بیمار افراد رشتہ داروں یا دوستوں سے ملتے ہیں تو ان کو بیماری ہوسکتی ہے۔ بیمار ہونے والوں کا پتہ لگانا آسان ہوتا ہے۔ اگر افراد کو علیحدہ کردیا جائے تو اگلے مرحلے سے بچا جاسکتا ہے۔ الگ کرنے کے اس طریقے کو quarantine کہا گیا ہے۔ ہندوستان کے ادارے (Indian Council of Medical Research) ICMR کے مطابق ہندوستان ابھی اس مرحلے میں ہے۔

(۳) تیسرا مرحلہ: پوری آبادی میں بیماری کا پھیلنا (CommunityTransimission)

اس مرحلہ میں نسبتاً زیادہ بڑی آبادی تک وائرس پہنچ جاتا ہے، بڑے پیمانے پر افراد کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ یوروپ کے بعض ممالک میں یہی ہوا۔ اس مرحلہ میں مکمل معطلی (Lockdown) کا طریقہ اپنایا جاتا ہے۔

(۴) چوتھا مرحلہ Full Blown Epidemic

چوتھا مرحلہ شدید ہوتا ہے بیماری حقیقتاً وبا کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ بظاہر کوئی نقطۂ اختتام نظر نہیں آتا۔ اس سطح پر بڑی تعداد میں لوگ متاثر ہوتے ہیں، بڑی تعداد میں اموات ہوتی ہیں۔ چین میں یہی ہوا۔

ان چار مراحل کے تذکرے کے علاوہ ICMR نے اپنی ہدایات میں دوسرے اور تیسرے مرحلے کے درمیان ایک مزید مرحلہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ مرحلہ بیماری کے وسیع الاطراف تاہم قابلِ علاج ظہور کا ہے۔ اس کو انگریزی میں (large outbreaks amenable to containment) کہا جاتا ہے۔ بیماری کو روکنے کے طریقے یہ ہیں: لوک ڈاؤن کی پابندی، صفائی ستھرائی کا اہتمام وغیرہ۔ وائرس سے زیادہ متاثر وہ افراد ہوتے ہیں جن کا دفاعی نظام (Immune System) کمزور ہوتا ہے۔ البتہ بہت سے مؤثر دفاعی نظام رکھنے والے افراد میں یہ وائرس موجود ہوتا ہے، تاہم علامات ظاہر نہیں ہوتیں۔ اس بیماری کی شرح اموات (Mortality Rate) تقریباً ڈھائی فی صد ہے، بہرحال خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ قادر مطلق پر بھروسہ کریں، جو شفا دینے والا ہے اور احتیاطی تدابیر اختیار کریں۔ دفاعی نظام کو مؤثر بنائیں۔ اہلِ ایمان کو بہرحال اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔

مطالعہ

"تنقیحات"

احمد توصیف قُدس/کشتواڑ، جموں وکشمیر

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ (۱۹۷۹-۱۹۰۳ء) دنیائے اسلام کے ایک بے بدل داعی اور تصورِ اقامت دین کے واضع تھے۔ "جماعتِ اسلامی" کی صورت میں آپ کی جلائی گئی شمع آج بھی دنیا کے گھُپ اندھیروں کو روشنی فراہم کر رہی ہے۔ آپ ایک قائد و رہنماء ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بے نظیر مصنف بھی ہیں۔ الجہاد فی الاسلام، خطبات، دینیات، خلافت وملوکیت، تجدید و احیائے دین اور شہرہ آفاق تفسیرِ قرآن "تفہیم القرآن" کے علاوہ آپ کی ایسی کئی تصانیف ہیں جو آپ کی فکر اور اجتہادی قوتوں کی ضامن کتابیں قرار دی جاسکتی ہیں۔ "تنقیحات" اِن ہی کتابوں میں سے ایک اہم کتاب ہے۔ یہ کتاب ۱۹۳۹ء میں منصہ شہود پر آئی۔ تب سے لے کر اب تک تقریباً ۸۰ برس ہونے کو ہیں۔ لیکن یہ کتاب آج بھی اپنے مواد اور موضوع کے اعتبار سے Most Relevant کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔

"تنقیحات" دراصل مولانا مودودیؒ کے اُن مقالات کا مجموعہ ہے جو آپ نے بیسوی صدی کی چوتھی دہائی میں ماہنامہ "عالمی ترجمان القرآن" (تاسیس ۱۹۳۳ء) کے لیے لکھے تھے۔ اگرچہ سید مودودیؒ تب کم عمر تھے، لیکن ان مقالات کے مباحث علم وتحقیق، سائنس ومنطق اور دلیل وبراہین سے اس قدر پُر ہیں کہ ان کے مطالعے کے بعد (بشرطیکہ حسنِ نیت سے کتاب کا مطالعہ کیا جائے) قارئین کے اذہان پر کفر، دہریت اور فسق وفجور کی جمی گرد دفعتاً چھٹ جاتی ہے اور انسان ایمان وایقان اور کائنات کی حقیقتوں کے قریب تر ہوجاتا ہے۔

"تنقیحات" کا موضوع "اسلام اور مغرب کی کشمکش" ہے۔ اس میں سید مودودیؒ نے مغرب کی تہذیبی یلغار سے متاثر شدہ اُمت مسلمہ کے نوجوانوں سے کلام کیا ہے۔ کتاب میں مغرب کی اس تہذیبی جارحیت سے امت کے نوجوانوں میں اسلام کے متعلق پیدا ہوئے شکوک وشبہات اور اعتراضات کے مفصل و مدلل جوابات دیے گئے ہیں۔ سید مودودیؒ نے امتِ مسلمہ کی سیاسی و تعلیمی پسماندگی کو امت کی موجودہ زبوں حالی کا موجب قرار دیا ہے۔ ان مقالات میں سید مودودیؒ نے مغرب کے نظام ہائے (تعلیمی، معاشرتی، معاشیاتی، تہذیبی) زندگی کی خباثتوں اور قباحتوں کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے ہیں۔ کتاب میں آپ کا استدلال منفرد اور یکتا ہے۔ یہ ایک قاری کو اپنی گرفت میں لے کر اُس کے اذہان پر دائمی اثرات چھوڑ جاتا ہے۔

کتاب میں شامل "ہماری ذہنی غلامی اور اس کے اسباب، عقلیت کا فریب، تجدد کا پائے چوبیں، مرض اور اس کا علاج" جیسے مقالات آج بھی ہمارے معاشرے کے اجتماعی حالات پر منطبق نظر آتے ہیں۔ بعد از مطالعہ کتاب کے متعلق یہ بات مبرہن ہوتی ہے کہ آج کے ہمارے مسلم نوجوان اسلام پر جن اعتراضات اور شکوک وشبہات کا اظہار کرتے ہیں، اُن کے جوابات سید مودودیؒ نے آج سے 80 برس قبل ہی دے دیے ہیں اور یہی سید مودودیؒ کی سب سے بڑی خاصیت ہے کہ آپ نے امت مسلمہ میں در آنے والے فتنوں کی نشاندہی قبل از وقت کر کے ان فتنوں کے سدِ باب کے لیے علاج بھی مختص کر رکھا ہے۔ آج امت کے نوجوانوں میں جن فتنوں کا ظہور ہو رہا ہے اُن کی چند علامات یہ ہیں:

☆...... "عقلیت" کا سہارا لے کر اسلام کی مبادیات پر ہی سوال پیدا کیے جاتے ہیں جبکہ ایک مسلمان اپنے عقیدے کو عقل کے تابع نہیں کر سکتا۔

☆......خود کو اسلام کا پیرو بتایا جاتا ہے لیکن حقیقت میں خوشہ چینی مغرب کی، کی جاتی ہے۔

☆......قرآن کو چودہ سو سال قبل کی ایک قدیم کتاب قرار دے کر اسے دورِ حاضر کے لیے ناقابلِ عمل (Impractical) تصور کیا جاتا ہے۔

☆...... ناموسِ رسالت اور ختم نبوت کو لے کر اُمت کے یہ نوجوان بدعقیدگی کا شکار ہیں۔ اس بدعقیدگی کو پھیلانے میں معترضینِ اسلام نے بڑی دلیری سے کام کیا ہے۔

☆......اسلام کو بجائے ایک مکمل نظام زندگی کے، ایک نجی مسئلہ تصور کیا جاتا ہے۔اس ناقص خیالی کے پیچھے مغرب کی اسلام دشمن لابی پیش پیش رہی ہے۔

☆......کیریر اور حصولِ معاش کو ضروریاتِ زندگی سمجھنے کے بجائے مقصودِ حیات سمجھ لیا گیا ہے جس سے امت کا نوجوان سینکڑوں مسائل میں جکڑ گیا ہے۔

☆......امت کا یہ نوجوان خود کو روشن دماغ جبکہ دینی جماعتوں کی دین پسندی کو ''مولویت'' اور ''دقیانوسیت'' قرار دیتا ہے۔ ''مخلص دینی جماعتوں'' کو حقارت سے دیکھنا اسی خیال کا پیش خیمہ ہے۔

الغرض یہ نوجوان آج اسلام کے تئیں جو تصور ذہن میں قائم کر چکے ہیں وہ فی الحقیقت اسلام کا صحیح تصور نہیں ہے۔ یہ تصور کئی آمیزشوں اور ملاوٹوں کا پلندہ ہے۔امت کے نوجوانوں کی اسی ذہنیت کو سید مودودیؒ نے ''تنقیحات'' میں زیرِ بحث لایا ہے۔ سیدؒ نے مغرب اور یورپ کے مذہبی اقدار اور سائنسی ترقی کی مضرتوں کا بدلائل تذکرہ کیا ہے۔آپ کا قلم لہو برسا رہا ہے اور یہ لہو گرم ہے جو انسان کے سرد وجود میں سرایت کرکے اِسے حرارت بخشتا ہے۔کالج اور یونیورسٹی طالب علموں کے لیے ''تنقیحات'' ایک عمدہ انتخاب ثابت ہوگی کیونکہ سید مودودیؒ نے تعلیمی زندگی کے اس دور میں آنے والے مسائل کی نشاندہی کی ہے اور اِس دور میں پیدا ہونے والے درجنوں سوالات کے تشفی بخش جوابات دے دیے ہیں۔

''تنقیحات'' میں کل ۲۰ مقالات شامل ہیں۔دہائیاں گزر گئیں لیکن اس کتاب کی معنویت اور عملیت اپنی جگہ برقرار ہے۔ یہ اس کتاب کی یکسانیت اور انفرادیت کا ایک زندہ ثبوت ہے۔ اسے تجدیدی اور تحریکی لٹریچر کی مقبولِ عام کتابوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ کتاب کے اب تک درجنوں ایڈیشنز شاید ہو چکے ہیں اور دنیا کی کئی زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ کتاب کا انگریزی ترجمہ ''West versus Islam'' کے نام سے موجود ہے۔

کتاب میں علم و حکمت اور نقد و منطق کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجود ہے۔کتاب میں شامل ''ہماری ذہنی غلامی اور اس کے اسباب'' کے اس مقالے میں مولانا نے غلامی کے اصل معنی و مفاہیم سمجھا کر چند ایسی بدترین غلامیوں کی نشاندہی کی ہے کہ جو اُمت کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ ''دورِ جدید کی بیمار قومیں'' میں مولانا نے ''ترقی یافتہ ممالک'' کے خدا بے زار اور مادہ پرستانہ کلچر پر طیشہ چلایا ہے اور ان ممالک کو انسانیت کے وجود کے لیے خطرناک قرار دیا ہے۔ ''ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش'' میں مولانا نے ترکی کے اندرونی خدوخال اس طرح بیان کیے ہیں کہ گویا مولانا خود ترکی کے باشندے ہوں۔اس مقالے میں مولانا نے ترکی کے سیاسی و سماجی حالات سے واقفیت بہم پہنچائی ہے۔ ''عقلیت کا فریب (اول، دوم)'' مولانا کے دو شاہکار مقالے ہیں۔ان میں مولانا نے عقل کے پیمانوں سے مبادیاتِ اسلام کو ناپنے کو ناقص الخیالی سے تعبیر کیا ہے۔مضمون ''ہمارے نظامِ تعلیم کا بنیادی نقص میں''، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پر ایک بے لاگ تبصرہ ہے۔اس مضمون میں ایک ''مسلم یونیورسٹی'' کے خدوخال کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ''ملت کی تعمیرِ نو'' میں مولانا نے امت مسلمہ کی ازسرِنو تعمیر کے حوالے سے اپنا پروگرام پیش کیا ہے۔ ''مسلمانوں کی اصل طاقت کا منبع'' میں مولانا نے ''اخلاقی طاقت'' کو اسلام کی اصل طاقت قرار دیا ہے۔مولانا کے بقول ''انقلاب یا ارتقاء ہمیشہ قوت ہی کے اثر سے رونما ہوا ہے اور قوت ڈھل جانے کا نام نہیں، ڈھال دینے کا نام ہے۔'' مولانا کسی بھی بڑی تبدیلی کے لیے قوت کو ناگزیر قرار دیتے ہیں۔ ''ایمان اور اطاعت'' میں مولانا نے ان دونوں کو لازم و ملزوم قرار دے کر مسلمانوں کو بیک وقت ان پر عمل پیرا ہونے کا بہترین درس دیا ہے۔

الغرض ''تنقیحات'' نقد و تنقیح سے بھرپور ایک کتاب ہے جس میں ''حیاتِ جاودانی'' کا راز مضمر ہے۔مولانا نے اس میں اُمتِ مسلمہ سے خطاب کرکے امت کے ضمیر پر یکے بعد دیگرے کئی چوٹیں کی ہیں جو اُمت کے اجتماعی ضمیر کو جھنجھوڑ کے رکھ دیتی ہیں۔اِس بات کی تائید کتاب میں شامل ذیل کے اقتباس سے ہوتی ہے:

> ''یہ شریعت بزدلوں اور نامردوں کے لیے نہیں اُتری ہے۔نفس کے بندوں اور دنیا کے غلاموں کے لیے نہیں اُتری ہے۔ہوا کے رُخ پر اڑنے والے خس و خاشاک اور پانی کے بہاؤ پر بہنے والے حشرات الارض اور ہر رنگ میں رنگ جانے والے بے رنگوں کے لیے نہیں اتری ہے۔ یہ ان بہادر شیروں کے لیے اتری ہے جو ہوا کا رُخ بدلنے کا عزم رکھتے ہوں، جو دریا کی روانی سے لڑنے اور اس کے بہاؤ کو پھیر دینے کی ہمت رکھتے ہوں، جو صبغۃ اللہ کو دنیا کے ہر رنگ سے زیادہ محبوب رکھتے ہوں اور اسی رنگ میں تمام دنیا کو رنگ دینے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔''

(کیش مرداں نہ کہ مذہبِ گوسفنداں، ص:۱۹۱)

خبر

تبلیغی جماعت

بدنام کرنے کی شرمناک حرکت

(مرکز SIO)

نئی دہلی، بڑے افسوس کی بات ہے کہ کورونا واقعات میں اضافے کا ذمہ دار تبلیغی جماعت کو ٹھہرایا جا رہا ہے۔ شر پسند بے بنیاد باتیں پھیلا کر اسلام کو برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ حکومت بیماری کے مقابلے کے لیے مستعدی برتنے میں بری طرح ناکام رہی ہے اس لیے سنگھ پریوار سے وابستہ افراد نے تبلیغی جماعت پر الزام لگانا شروع کر دیا ہے۔ بلا سوچے سمجھے ذرائع ابلاغ کے بعض عناصر اور سیکولر کہلانے والے کچھ سیاستداں بھی اس جھوٹ کو پھیلانے میں لگ گئے ہیں۔

تبلیغی جماعت کا مرکز بستی نظام الدین دہلی میں واقع ہے۔ روزانہ وہاں دنیا بھر سے بہت سے افراد آتے ہیں۔ کم یا زیادہ مدت ٹھہرتے ہیں۔ اس وقت غیر ذمہ دار سیاست دانوں کے بیانات سے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا اس مرکز میں بہت سے مریض چھپے بیٹھے ہیں۔ اس احمقانہ خیال کی تردید مرکز کے ذمہ داران کر چکے ہیں۔ ملک میں کرفیو جیسی حالت کو ایک ہفتہ سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ ذمہ دارانہ مرکز حکومت کے اہل کاروں کو حالات سے برابر باخبر رکھتے رہے ہیں۔ خصوصاً دہلی کے مقامی ایڈمنسٹریشن کو ضروری معلومات انھوں نے بروقت فراہم کی ہیں۔

حکومت کی نااہلی اور بدانتظامی پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ اوچھی حرکت کی جا رہی ہے۔ بعض نامہ نگاروں نے کہا ہے کہ مرکز کی محدود عمارت میں لاکھوں لوگ موجود ہیں۔ دوسری جانب لوگ بھوک سے پریشان ہو کر پیدل چل پڑے ہیں، جدھر بھی ان کو اچھے امکانات نظر آئے ہیں۔ حکومت ایسے لوگوں کی کوئی مدد نہیں کر رہی چنانچہ ملک کی کام بند کرنے کا مقصد ہی فوت ہو گیا ہے۔ یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ سارے کام بند کرنے سے پہلے نہ غور کیا گیا نہ مسائل پر قابو پانے کا کوئی معقول پلان بنایا گیا۔ تبلیغی جماعت کو بدنام کر کے سارے مسلمانوں کو ملزم ٹھہرانا مقصود ہے۔ یہاں تک کہ عام آدمی پارٹی بھی غلط رو میں بہہ رہی ہے۔ دہلی میں فساد کرنے والوں کے خلاف ریاستی حکومت ایف آئی آر تک درج نہیں کرا سکی۔ آج وہ اپنی کوتاہی کو چھپانے کے لیے تبلیغی جماعت کے خلاف اقدام کرنے کے درپے ہے۔

بستی نظام الدین واحد جگہ نہیں جہاں مذہبی سرگرمیوں کے لوگ جمع ہوتے ہوں۔ ہر ایسی جگہ پر آنے والوں کی بڑی تعداد آتی ہے۔ موجودہ حالات نے البتہ مسئلے کے حل کو زیادہ مشکل بنا دیا ہے۔ مناسب بات یہ ہے کہ حکومت کے ذمہ داران، مرکز سے ربط رکھیں اور شور مچانے کے بجائے اپنا تعاون پیش کریں تاکہ احتیاطی تدابیر پر فی الواقع عمل ہو سکے۔ ساری تدبیروں کے باوجود لوگ بیمار ہو سکتے ہیں تاہم وہ صرف بستی نظام الدین میں نہ ہوں گے بلکہ دہلی میں کہیں بھی ہو سکتے ہیں۔ صرف مسلمان ہونے کی بنا پر سارا قصور اس بستی کا بتایا جا رہا ہے۔ یہ کیا نادانی ہے۔

ہم سب کا کام یہ نہیں کہ آپس میں لڑیں۔ وقت نازک ہے۔ لڑنا ہے تو بیماری سے لڑیے۔ جو متاثر ہوئے ان کی مشکلات دور کیجیے، تسلی دیجیے اور مدد کیجیے۔ اس بحران میں ضرورت سمجھ، اتحاد و اتفاق، ہمدردی کی ہے۔ بیماری کا وائرس تو پھیل ہی رہا ہے۔ اس کے ساتھ نفرت کا وائرس پھیلانے سے ملک کا کیا بھلا ہوگا؟